

عمران سیریز

باکمال مجرم

اظہر کلیم

باکمال مجرم

ریاست شنکیاری پر چند آوارہ سائے قابض ہو گئے تھے

وہ دیکھتے ہی دیکھتے فرش سے اُٹھتے اور دھول کے ذرات کا پیکر اختیار کر جاتے

عمران نے ان کا بہت اچھا حل تلاش کیا.. پانی کی ایک بالٹی!

اظہر کلیم

احمق اعظم علی عمران کا سنسنی خیز کارنامہ

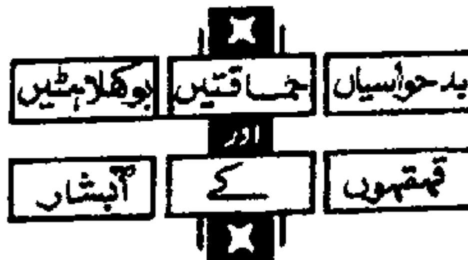


"معاف کیجیے گا... آپ نے شاید پہچان لیا ہے" عمران نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور سامنے کھڑی ہوئی ثریا کو دیکھ کر یوں کانپنے لگا جیسے اُسے تپ لرزاں ہو گیا ہو۔

"برسوں بعد صورت نظر آئی لیکن وہی نحوست برس رہی ہے" ثریا نے منہ بنا کر کہا اور اُسے دھکیل کر الگ ہٹاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ عمران نے اس جملے پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا اور یوں منہ لٹکائے ثریا کے پیچھے چلنے لگا جیسے کوئی مظلوم کلرک اپنے خونخوار باس سے دو قدم کے فاصلے پر چلتا ہے۔ ثریا نے فلیٹ پر ایک نظر ڈالی اور پھر بل کھاتی ہوئی صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔

"بڑے ٹھاٹھ ہیں بھائی جان۔ میں بھی کہوں اکیلے کیسے جی لگتا ہو گا" ثریا نے قیمتی صوفوں اور ضرورت کی تقریباً سبھی چیزوں سے آراستہ و پیراستہ کمرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کنوارے رہنے کا فائدہ کہو۔ شادی کر کے الگ ہو گیا ہوتا تو اس فلیٹ میں اُلو کے پٹھے بول رہے ہوتے... لاحول ولا... الو بولنا محاورہ ہے شاید" عمران نے بڑبڑا کر کہا اور





سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"شادی ہو گئی ہوتی تو ہر وقت کی حماقتیں بھی ختم ہو گئی ہوتیں" ثریا مسکرا کر بولی۔

"حماقتیں ختم ہو گئی ہوتیں!" عمران نے حیرت سے دیدے نچا کر دہرایا" میرا خیال ہے تم نہار منہ ٹانگفون کے غرارے کیا کرو۔ تمہاری زبان سے الٹی باتیں ادا ہونے لگی ہیں۔"

"کیسی اُلٹی باتیں؟" ثریا بدستور مسکراتی رہی۔

"اری اللہ کی نیک بندی۔ شادی کر کے تو دولہا میاں احمق اعظم بن جاتے ہیں۔ شادی حماقت کا دوسرا نام ہے۔ کنفیوشس نے بچپن میں مجھے سمجھایا تھا کہ برخوردار شادی نہ کرنا اور اگر ممکن ہو تو اپنے والدین کو بھی منع کر دینا لیکن تم تو جانتی ہی ہو میں بزرگوں کے معاملات میں ٹانگ نہیں اڑایا کرتا۔"

"بڑے ہی بے شرم ہیں آپ" ثریا منہ میں رومال ٹھونستی ہوئی بولی" بزرگوں کے معاملات میں ٹانگ اڑائیں نہ اڑائیں ان کے سر میں خاک تو ضرور ڈال دیتے ہیں۔"

"ارے تمہارے مُنہ میں خاک... سوری لاکھ... ارے کیا کہتے ہیں۔ کم بخت عین موقع واردات پر الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔ بہر طور تم جو بھی چیز پسند کرو وہی تمہارے مُنہ میں... یہ تم کیا ارشاد فرما رہی ہو۔ ثریا عرف بھینگی شہزادی۔"

"بھینگے ہوں گے آپ" ثریا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ "وہ شہزادی بھینگی نہیں ہے بھائی جان اتنی سُندر ہے کہ دیکھیں تو دیکھتے رہ جائیں۔"

"ہائیں... چہرے پر گوند ملتی ہے کیا؟" عمران چونک کر بولا۔

"کیا مطلب؟" ثریا نے حیرت سے کہا۔

"یہی کہ نگاہیں چپک کر رہ جاتی ہوں گی بے چاری کی طرف دیکھ کر۔ شاید اس کی چپچپی سی ناک بہتی ہو... لاحول ولا... کیا اندھوں میں گورے گورے گھس آتے ہیں۔"

"یہ حقیقت ہے بھائی جان۔ وہ بہت ہی سندر ہے۔ اتنی خوبصورت کہ چاند بھی دیکھے تو شرما جائے۔"

"چاند پر جاؤں گا تو ساتھ لیتا جاؤں گا۔ تم جلدی سے شروع ہو جاؤ کہ تمہاری اس یک طرفہ آمد کا کیا مطلب ہے۔ مجھے ناشتہ بھی کرنا ہے" عمران نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"ناشتہ کرنا ہے تو کر لیجیے میں کوئی آپ کے ناشتے کی بھوکی ہوں، اتنا ڈھیر سارا کھا کر آئی ہوں۔"

"ہائے" عمران نے سینے پر دو ہتڑ مارا" اسی لیے ڈیڈی نے مجھ سے روپے قرض منگوائے تھے۔"

"کب کی بات ہے؟" ثریا بدک کر کھڑی ہو گئی۔

"میرا خیال ہے کل رات کی لیکن میں ابھی پرس نکال ہی رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔"

"اِس وقت کیا حال ہے آنکھوں کا" ثریا نے غرا کر کہا" اگر ابھی کمزور ہوں تو بینائی میں کچھ اضافہ کر دوں؟ سنا ہے لیڈیز سینڈلوں کی ایڑی آنکھوں کے لیے فرحت بخش ہوتی ہے۔"

"کون کہتا ہے؟" عمران دہاڑ کر اٹھا" ایڑی چوٹی کا زور لگانا جیسے محاورے بن گئے، ایڑیاں گھس گئیں لیکن عقل نہ آئی۔ اری اللہ میاں کی گائے ایڑیاں صرف اِس لیے بنائی گئی ہیں کہ دور ہی سے ٹک ٹک کی آواز سن کر شوہر دُم دار اپنی دُم سمیٹ کر مؤدب بیٹھ جائے۔ جی ہاں۔"

"بہر طور" ثریا نے اس کی بکواس کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا" میں اس وقت ایک بہت ضروری کام سے آئی ہوں۔ اُمید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔"

"مایوس تو نہ کرتا لیکن اپنی حالت خود پتلی ہے۔"

"میں آپ سے کچھ مانگنے نہیں آئی" ثریا کا پارہ یکدم چڑھ گیا۔

"تو پھر کچھ دے کر آئی ہو گی" عمران بغلیں بجاتا ہوا بولا۔

"پلیز بھائی جان۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ پہلے آپ یہ خط پڑھ لیں پھر جتنا جی چاہے بور کر لیجیے گا" ثریا نے پرس سے ایک نیلے رنگ کا خوبصورت لفافہ نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیا۔ عمران نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے لفافہ لیا اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولا" کچھ فرمائش وغیرہ تو درج نہیں ہے اس میں۔"

"خاطر جمع رکھیے میں ابھی آپ کو اس قابل خیال نہیں کرتی۔ کوئی فرمائش ہو تو مجھے لکھ بھیجئے گا" ثریا دانت پیستی ہوئی غرائی" میں کوئی آپ کی طرح تنگ نظر تو ہوں نہیں۔"

"ہاں نظر تو تمہاری خاصی تیز ہے غالباً سرمہ اندھا دھند استعمال کرتی ہو" عمران نے لفافہ کھولتے ہوئے کہا۔ پھر خط پر نگاہ پڑتے ہی وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ خط واقعی کسی شہزادی کی طرف سے تھا۔ عمران کے ذہن میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ سب سے پہلا خیال جو اس کے ذہن

میں آیا وہ یہ تھا کہ ثریا نے پھر کہیں تاک جھانک کر کے اس کے لیے رشتہ تلاش کر لیا ہے۔ اس خیال کو اس تعریف نے اور بھی استحکام بخشا جو ثریا نے شہزادی کی صورت کا نقشہ کھینچتے وقت کی تھی۔۔۔۔ لیکن جوں جوں اس کی نظر خط کے مضمون پر پھسلتی رہی اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک اور پیشانی پر فکر کی علامتیں نمودار ہوتے لگیں۔ خط ایک آزاد ریاست کی شہزادی کی طرف سے تھا اور تحریر کچھ اس طرح سے تھی۔

'ثریا ڈیئر!

تم بھی کھوئی ویسے تو تمہیں بھولی رہی، جب سر پر مصیبت آئی تو تمہیں یاد کیا لیکن کیا کروں ڈیڈی کی وفات کے بعد ساری ذمے داریاں میرے ناتواں کندھوں پر آپڑی ہیں اور میں انتظامی امور میں کچھ اس طرح سے الجھ گئی۔۔۔ کہ کوشش کے باوجود تمہیں یاد نہ کر سکی۔ اس وقت ایک عجیب سی حادثاتی زندگی کا شکار ہوں۔ بڑی سوچ بچار کے بعد تمہیں یاد کر رہی ہوں۔ ہمارے علاقے میں آئے دن عجیب و غریب حادثات ہو رہے ہیں اس قدر مافوق الفطرت کہ اگر ان کا تذکرہ کرنے بیٹھوں تو تم یقیناً دارالحکومت کے کسی پاگل خانے میں میرے لیے بندوبست کرنے دوڑی چلی جاؤ گی۔

ریاست شنکیاری اس وقت تباہی کا مسکن بنی ہوئی ہے۔ چند نادیدہ ہاتھ تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں اب تک درجنوں آدمی موت کے منہ میں پہنچ چکے ہیں اور باقی لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔ اللہ جانے۔

تم سے درخواست ہے کہ خط ملتے ہی عمران صاحب کو یہاں بھیج دو۔ ان کے محیر العقول کارناموں کا تذکرہ تو بہت سن چکی ہوں۔ ممکن ہے وہ ہماری کچھ مدد کر سکیں۔ ویسے بھی وہ ایسے معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ خط بہت ہی خفیہ ذرائع سے تمہیں ارسال کر رہی ہوں۔ کسی آدمی کو اس لیے نہیں بھیج رہی کہ معاملات خراب نہ ہو جائیں۔ خط کے ساتھ ریاست کا مکمل نقشہ بھی ارسال کر رہی ہوں۔

دعاؤں کے ساتھ دل بہار
شنکیاری اسٹیٹ!

عمران نے خط کو تہہ کر کے لفافے میں ڈال دیا اور منہ چلاتا ہوا ثریا کی طرف متوجہ ہو گیا جو بڑی توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عمران کو منہ چلاتے دیکھ کر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"دل بہار بیچاری" عمران بڑبڑایا "کیا لسی وغیرہ کی دکان کرتی ہیں شہزادی صاحبہ؟"

"اس کا مطلب ہے آپ اس معاملے میں دلچسپی نہیں لینا چاہتے؟" ثریا روہانسی ہو کر بولی۔

"ہائیں۔۔۔ اب دلچسپی لینا شروع کر دوں۔ لاحول ولا۔ اگر ڈیڈی کو پتہ چل گیا تو؟"

"اچھا!" ثریا ایک طویل سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے عمران کے ہاتھ سے لفافہ جھپٹ لیا اور پُرنم آنکھوں سے اُسے گھورنے لگی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ گھر سے دور رہ کر آپ کے دل سے خون کے رشتوں کی قدر و اہمیت بھی ختم ہو گئی ہے۔"

"ارے بہنا بیٹھو تو سہی۔۔۔ کچھ ناشتہ واشتہ۔۔ میرا مطلب ہے۔ ڈبل روٹی مکھن انڈے وغیرہ تو کھا لوں۔۔۔ میرا تو لسی پینے کو جی چاہنے لگا ہے۔۔۔ اگر تم برا مانتی ہو تو میں ایک بار نہیں ہزار بار لسی پر لعنت بھیج کر وہاں جانے کو تیار ہوں۔"

"سچ بھائی جان" ثریا خوشی سے کھل اٹھی "تب جاری دل بہار بڑی ہی سیدھی سادی اور معصوم لڑکی ہے۔ اگر اُسے کچھ ہو گیا تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔ وہ میری عزیز ترین سہیلی ہے۔"

"انشاء اللہ۔۔۔ انشاء اللہ" عمران نے درویشانہ انداز میں سر ہلا کر کہا اور چلا کر سلیمان کو ناشتہ لگانے کا حکم دیا۔ چند ہی لمحوں بعد سلیمان کی کھوپڑی دکھائی دی۔ اس نے دروازے سے جھانک کر دیکھا اور ثریا پر نگاہ پڑتے ہی لپکتا ہوا اندر آیا اور دانت نکال کر کھڑا ہو گیا۔

"بے چارہ دانتوں کی صفائی کا خاص خیال رکھنے لگا ہے" عمران نے سلیمان کی طرف اشارہ کیا۔

سلیمان کی بتیسی بند ہو گئی۔ ثریا نے سلیمان کی مزاج پرسی کی۔ سلیمان مسرور لہجے میں اپنا حال بتانے لگا۔ اس دوران عمران مستقل اپنے کان کھجاتا رہا۔

"ابے کیا ان باتوں سے میرا پیٹ بھر جائے گا؟" عمران حلق کے بل دہاڑا۔

"آپ کا کیا ہے صاحب... پرسوں تو باتوں ہی باتوں میں آپ کا پیٹ بھر گیا تھا اور آپ نے مزید کھانے کے لیے تقاضا نہیں کیا۔" سلیمان نے منہ بنا کر کہا۔

"ابے خاندانی باورچی۔ اس وقت باتوں کے ساتھ ساتھ میں کھانا بھی تناول فرما رہا تھا۔" عمران نے کراہ کر کہا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ثریا اور سلیمان دونوں ہی ہنسنے لگے۔

"میں اب جاؤں گی بھائی جان۔" ثریا پرس اٹھاتی ہوئی بولی۔

"ارے پرس تو بھولتی جاؤ۔ ہائے یہ حسرت ہی رہی کہ کوئی محترمہ اپنا پرس میرے فلیٹ میں بھول کر چلی جائیں لیکن کہاں صاحب۔ جانے سے پہلے ہمیشہ ہاتھ پرس ہی کی طرف جاتا ہے۔" عمران نے کن انکھیوں سے ثریا کے پرس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی جیب تراش تنقیدی نگاہوں سے کسی کا جائزہ لے رہا ہو۔

"کیا مطلب؟" ثریا ٹھٹک کر رہ گئی۔ "آپ کے ہاں لڑکیوں کا بھی آنا جانا ہے؟"

"جانا ہی جانا کہو۔ آنا تو بس اسی طرح ہوتا ہے جیسے تم آئی ہو کوئی مستقل قیام کا ارادہ لے کر نہیں آتی۔ اب یہی دیکھو تم پندرہ اعشاریہ بیس سال کے بعد آئی ہو اور ناشتے کے بغیر ہی جا رہی ہو۔" عمران نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔

"میں بتا چکی ہوں کہ ناشتہ کر کے ہی چلی تھی۔" ثریا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سنو... اگر تم میرے ساتھ ناشتہ نہیں کرو گی تو پھر سمجھ لینا... ہاں... میرا ایک دوست ان دنوں بہت مصیبت میں ہے۔ بے چارہ دن بھر راشننگ آفس کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ اسے کارڈ بنوانا ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی چند جوتیاں اس چکر میں ضرور گھسا دوں گا۔" عمران نے قطعیت سے کہا۔

"گویا ناشتہ کرائے بغیر نہیں مانیں گے۔" ثریا دوبارہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

"مان تو جاتا لیکن کیا کروں... ابھی تم سے بہت سی باتیں دریافت کرنی ہیں اس لیے سوچا کہ ناشتے کی میز پر تم ذرا خوش خوش جواب دو گی۔ آؤ چلیں۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ سلیمان اس وقت تک ناشتہ لگا چکا تھا۔ دونوں ناشتے کی میز پر بیٹھ گئے... عمران نے ایک انڈے کو توڑنا شروع کیا لیکن ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ثریا کچھ دیر تو الجھی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر مسکرا دی۔ شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ عمران کی ذہنی رو بہک گئی ہے۔

"میں گزشتہ ایک سو دس سال سے سوچ رہا ہوں کہ بھینس کس قدر بدنصیب جانور ہے۔ دودھ دیتی ہے لیکن انسان اس میں پانی ملا کر انسانوں کو سپلائی کر دیتا ہے۔ بھینس کی عاقبت بلاوجہ خراب ہو رہی ہے۔ اگر اسے انڈے دینے پر آمادہ کر لیا جائے تو دودھ کی قلت ہو سکتی ہے لیکن دودھ کے لیے تو خیر پوڈر کا استعمال ہو جائے گا البتہ انڈوں کی صنعت کو فروغ ملے گا۔" عمران نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ثریا منہ دبا کر ہنستی رہی۔

"لیکن بھائی جان اگر بھینسیں بھی انڈے دینے لگیں تو انڈے سینے میں کس قدر دقت ہو گی یہ تو آپ نے سوچا ہی نہیں۔"

"ہائیں۔" عمران منہ میں ٹوسٹ ٹھونستا ہوا بولا۔ "اس بارے... ہائے... بارے میں تو میں نے سوغا... سو... سوچا ہی نہیں۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں۔ میرا خیال ہے آپ بھینسوں کو تو معاف ہی کر دیں۔"

"عورتیں بھی تو اس ذمے داری کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔" عمران نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا اور ثریا کی ہنسی نکل گئی۔

"بڑے ہی شریر ہیں آپ۔" اس نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے کہتی ہوں شادی کر لیجیے سب باتوں کے جواب مل جایا کریں گے۔ میرے پاس دماغ چٹوانے کی فرصت نہیں ہے۔"

"اگر کوئی ایسی فارغ البال لڑکی دستیاب ہو جائے تو یقیناً میں ڈیڈی کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ خانہ بربادی ہو گی تو ہوتی رہے زبان کی کھجلی تو دور ہو جایا کرے گی۔"

"کس کے نصیب پھوٹے ہیں۔ جو بھی آئے... سال میں ایک بار ہی آئے گی پھر میکے چلی جائے گی۔" ثریا نے مسکرا کر کہا۔

"ممی کا کیا حال ہے؟" عمران نے یک بیک سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"ٹھیک ہیں۔ آپ کو یاد کرتی رہتی ہیں۔ آپ کو ان سے کیا۔ آپ کو حماقتوں سے فرصت ہو تو ان کی خبر بھی لیں۔" ثریا نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یقین مانیں بھائی جان ان کی جان صرف آپ کی وجہ سے ہی جائے گی اور ان کا خون آپ کے سر ہوگا۔"

"کیا کروں... اگر خونخوار صاحب۔ سرف ڈیڈی میرے مطالبات مان لیں تو میں گھر میں منتقل ہونے کو تیار ہوں۔" عمران نے ماحول کے بوجھل پن کو دور کرنے کے لیے احمقانہ لہجے میں کہا۔

"اب مجھے جانا چاہیے۔ آپ تو باتوں میں پورا دن ضائع کردیں گے۔" ثریا نے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "کب تک رخصت ہو جائیں گے۔"

"رخصتی اپنے نصیب میں کہاں۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"زبان بہک جائے تو کبھی ڈھنگ کی بات نکلتی ہی نہیں۔" ثریا نے منہ بنا کر کہا اور پرس جھلاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

عمران نے سلیمان کو آواز دی اور وہ جادوئی چراغ کے غلام کی طرح حاضر ہوگیا۔ "تم کل رات کہاں گئے تھے کم بخت؟"

"جی... ہی ہی... ہی ہی... ذرا منی بائی کے ہاں چلا گیا تھا۔" سلیمان نے جھاڑن منہ میں ٹھونستے ہوئے جواب دیا۔

"منی بائی۔" عمران نے کھوپڑی کا عقبی حصہ ٹٹول کر کہا۔ "ہونے والی والدہ ہے تمھاری؟"

"زوجہ کہیے صاحب... زوجہ۔" سلیمان نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"ایک ہی بات ہے... بھئی باپ کے ورثے سے بیٹوں کو سب ہی کچھ ملتا ہے۔ اب یہ بیٹے کی سعادت مندی ہے کہ وہ اس ترکے کو کیا اہمیت دیتا ہے۔" عمران نے درویشانہ انداز میں کہا۔ "ویسے کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم نے وہاں جانے کے لیے رقم کا بندوبست کہاں سے کیا تھا؟"

"رقم کی بات چھوڑیں۔ اب ہم میں کیا چیز مشترک نہیں جو آپ کھاتے ہیں وہی میں کھاتا ہوں بلکہ کچھ بہتر ہی کھاتا ہوں۔ آپ کے کپڑے میرے جسم پر اس طرح پورے آتے ہیں جس طرح آپ نے خاص طور سے میرے لیے ہی سلوا رکھے ہیں۔"

"ابے تو کیا تو میرے کپڑے استعمال کرتا ہے۔" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"اللہ کی دین ہے صاحب... صبر کریں... ہنڈیا سنبھالنے والوں کا پورے گھر پر حق ہوتا ہے۔" سلیمان نے شریر لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ عمران نے ایک طویل سانس لیا اور اخبار پھیلا کر بیٹھ گیا۔ سلیمان کی بات نے اسے واقعی لاجواب کر دیا تھا۔ کم بخت بعض اوقات بیویوں جیسی باتیں کرنے لگتا تھا۔

صفدر نے ایک طویل سانس لی اور جہاز کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کے پیچھے تنویر تھا۔ دونوں اس وقت میک اپ سے بے نیاز تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا ائرپورٹ تھا۔ دارالحکومت سے... ڈومیسٹک فلائٹس کی ایک نائٹ کوچ ہفتے میں ایک بار اس ائرپورٹ تک آتی تھی۔

تنویر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ کرنیں بکھیر رہا تھا۔ دور پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں... سورج کی شعاعیں برف پر منعکس ہو کر فضا میں خوبصورت اور بوقلموں رنگوں کی روشنیاں بکھیرتی دکھائی دیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے فضائیں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہوں۔

"بڑا ہی پر فضا مقام ہے۔" صفدر نے تنویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں... لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں یہاں کیوں بھیجا گیا ہے؟" تنویر نے منہ بنا کر کہا۔

"سب معلوم ہو جائے گا۔" صفدر مسکرایا۔ "ایکسٹو اپنی عادت سے مجبور ہے لیکن دوست یہ تو تمھیں بھی اندازہ ہوگا کہ نا واقفیت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کی منشاء کے عین مطابق ہی ہوتا ہے۔"

"میں تو اب اس ملازمت سے تنگ آگیا ہوں۔ اس سے تو فوج کی ملازمت اچھی تھی۔ کچھ آرام تو کرنے کو مل ہی جاتا تھا۔ یہاں تو کسی پل چین ہی نہیں ہے۔"

"چھوڑ دو یار ہر وقت جھنجلاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا کرو۔" صفدر نے ہنس کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور دونوں خاموشی سے ائرپورٹ کے ریستوراں کی طرف بڑھ گئے۔ چھ گھنٹے

کی اکتا دینے والی فلائٹ تھی اور ابھی مزید اکتا دینے والا سفر سامنے تھا اس لیے انھوں نے ریستوراں میں بیٹھ کر ایک ایک کپ گرم کافی پینے کا موڈ بنا لیا۔

ریستوراں اچھا خاصا تھا۔ چاروں طرف موٹے شیشے کی دیواریں تھیں۔ جن کے ساتھ ساتھ ماڈرن کے رُخ خوبصورت پردے لٹک رہے تھے۔ شیشے کا دروازہ آٹومیٹک تھا جیسے ہی وہ پائیدان پر پہنچے دروازہ از خود کھل گیا۔ وہ ریستوراں کے آخری حصے کی طرف بڑھ گئے کیونکہ وہیں کچھ میزیں خالی دکھائی دے رہی تھیں۔ دفعتاً تنویر لڑکھڑایا اور منہ کے بل فرش پر آ رہا۔

اس نے جلدی سے دونوں ہتھیلیاں فرش پر ٹکا دیں ورنہ اس کے چہرے کا بھرتہ ہی بن گیا ہوتا۔ وہ دہاڑ کر اٹھا اور قریبی میز پر بیٹھے ہوئے اس شخص کو گھورنے لگا جو بے پروائی سے ٹانگ باہر نکالے بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے سے وہ کوئی گوریلا نما آدمی ہی دکھائی دیتا تھا۔

"کیا تم اندھے ہو؟" تنویر حلق کے بل دہاڑا۔

"اندھے تم ہو۔ دیکھ کر کیوں نہیں چلتے۔" گوریلے نے کندھے جھٹک کر جواب دیا۔

تنویر کی کھوپڑی گھوم گئی۔

"تم نے ٹانگ باہر کیوں نکال رکھی تھی؟" وہ قہر آلود نگاہوں سے گوریلے کو دیکھتا ہوا چیخا۔

"اس لیے کہ ٹانگ میری ہے اور میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

"مرضی کے مالک تو ہم بھی ہیں مسٹر اور ہمارے پاس استعمال کرنے کے لیے بازو بھی ہیں۔" صفدر نے پہلی بار مداخلت کی۔ اُسے غیر ملکی کی ڈھٹائی پر خاصا تاؤ آ گیا تھا۔

"اگر تم لوگ بھی چاہتے ہو تو میں بھی مُردار نہیں ہوں۔" گوریلا جھولتا ہوا اُٹھا لیکن تنویر نے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے پوری قوت سے ایک گھونسا غیر ملکی کے پیٹ میں جما دیا۔ وہ ابھی کرسی سے اٹھنے بھی نہیں پایا تھا۔ اس لیے کرسی سمیت الٹ گیا۔

مگر پھر فوراً ہی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یکایک گوریلے کا بایاں مکا تنویر کے سر پر پڑا۔ اُسے یوں... محسوس ہوا جیسے دنیا ایک دھماکے سے پھٹ پڑی ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک لمحے میں ہزاروں روشنیاں جل اور بجھ اٹھیں۔ تنویر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

گوریلے نے ریوالور نکال لیا۔

ریوالور کا دستہ تیزی سے تنویر کی کنپٹی کی طرف بڑھا۔

... تنویر نے تھوڑا سا خم کھا کر ہاتھ بڑھایا اور برقی سرعت سے گوریلے کی ریوالور والی کلائی پکڑ لی۔ اس وقت ریوالور کا دستہ اس کی کنپٹی سے محض سات انچ کے فاصلے پر تھا۔ تنویر نے پوری قوت صَرف کر کے اس کا بازو مروڑ دیا۔

گوریلے کی کلائی کی ہڈیاں کڑکڑا اُٹھیں اور ریوالور ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ گوریلے نے جھٹکا مار کر بازو چھڑا لیا لیکن تنویر نے اس کی کلائی نہ چھوڑی جسے اس نے مروڑ رکھا تھا۔

صفدر خاموشی سے ایک طرف کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ تنویر کے الجھنے کے بعد اس نے مداخلت نہیں کی۔ ظاہر ہے ایک کے مقابلے پر دو کا آنا مردانگی سے بعید تھا... جیسے ہی غیر ملکی کے ہاتھ سے ریوالور گرا اُس نے ٹھوکر مار کر اسے دور پھینک دیا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ حیرت سے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر انھیں چھڑانے کی کوشش کرتا۔ گوریلا طاقت اور جسم میں تنویر سے دوگنا تھا لیکن تنویر نے جس انداز میں اس کی کلائی مروڑ رکھی تھی اس سے اس کی قوتِ مدافعت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

گوریلے کے گھونسے کے ابتدائی صدمے سے بحال ہوتے ہی تنویر نے اس کا ہاتھ مزید مروڑ دیا۔ وہ کافی سخت جان واقع ہوا تھا... اب تک نہ تو اس کے مُنہ سے کراہ نکلی اور نہ ہی کوئی چیخ۔ البتہ اس کے سانسوں کی آمدورفت طوفانی ہو گئی تھی۔

تنویر نے ایک اور بل دیا۔

گوریلے نے آزاد ہاتھ سے ایک اور گھونسا آزمایا اور پھر اس کے کندھے کا جوڑ جواب دے گیا۔ بھناتے ہوئے سر اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے تنویر نے دیکھا گوریلے کا بازو ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح لٹک گیا ہے۔ وہ اب اس قابل نہیں رہا تھا کہ دائیں ہاتھ کا گھونسا تنویر کے سر پر استعمال کر سکتا۔

اس نے اس وقت بھی گوریلے کا بازو تھام رکھا تھا۔ اعصاب بحال ہوتے ہی تنویر نے محض اپنے آپ کو یقین دلانے کے لیے اس کے بازو کو تھوڑا سا مروڑا... اب گوریلے کے مُنہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ کڑکڑاتی ہوئی کلائی اور جوڑ سے

اکھڑے ہوئے کندھے نے اس سخت جان درندہ نما آدمی کو بے دم کر دیا تھا۔

تنویر نے اس کے بازو پر سے ایک ہاتھ ہٹا کر جھٹکے سے اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور پھر دوسرا ہاتھ بھی ہٹا لیا۔

گوریلا دھپ سے نیچے گر پڑا۔ اس نے صحیح و سالم ہاتھ سے ٹوٹے ہوئے بازو کو بھینچ رکھا تھا۔ اس حالت میں وہ درد اور الم کی ایک مکمل تصویر دکھائی دے رہا تھا۔

تنویر جلدی جلدی اس کے لباس کی تلاشی لینے لگا لیکن اس کے پاس سے کوئی اور ہتھیار برآمد نہیں ہوا تنویر نے اپنا ریوالور اس وقت بھی اس کی طرف تان رکھا تھا۔

"کیوں دوست۔ اب بتاؤ کیا وہ ٹانگ بھی توڑ ڈالوں جو تمہارے اختیار سے باہر ہو رہی تھی؟" تنویر نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

گوریلے نے کوئی جواب نہیں دیا اور کراہتا ہوا بازو بھینچے بیٹھا رہا۔

یکایک پولیس کے چند سپاہی اور ایک انسپکٹر ریستوراں میں داخل ہوا۔ انھوں نے آتے ہی تنویر، صفدر اور گوریلے کو گھیرے میں لے لیا۔

"یہ کیا غنڈہ گردی مچا رکھی ہے آپ لوگوں نے؟" انسپکٹر دہاڑا۔

"یہ تو ان صاحب سے دریافت کریں جو بات بے بات ریوالور نکالنے کے عادی دکھائی دیتے ہیں۔" صفدر نے گوریلے کی طرف اشارہ کیا۔

لوگوں نے بھی اس بات کی گواہی دی کہ زیادتی واقعی گوریلا نما غیر ملکی کی ہے اور جب لوگوں نے یہ بتایا کہ اگر تنویر اس کا بازو نہ توڑتا تو عین ممکن تھا کہ اس وقت گوریلے کی جگہ خود تنویر ہی کی لاش پڑی ہوئی ہوتی۔ انسپکٹر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے غیر ملکی کو حراست میں لے لیا۔

"کیا تم اس ریوالور کا لائسنس دکھا سکتے ہو مسٹر؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"مجھے اسپتال لے چلو۔ میرے بازو میں شدید تکلیف ہو رہی ہے۔" گوریلا کراہا "میرے پاس لائسنس موجود ہے... دراصل میں نشے میں بہک گیا تھا۔ ان شریف آدمیوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

انسپکٹر نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اُسے لے جائیں۔

تنویر حیران تھا کہ یکایک گوریلے کی کایا کیوں پلٹ گئی۔

ادھر صفدر کن انکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دروازے سے ایک شخص باہر جا رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر فیلٹ ہیٹ جھکی ہوئی تھی اور اس نے سیاہ چرمی کا جیکٹ پہن رکھا تھا۔ صفدر نے گوریلے اور اس شخص کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کرتے دیکھ لیا تھا۔

ہنگامہ فرو ہوا تو دونوں ایک میز پر بیٹھ گئے۔

کافی آئی تو تنویر نے دو پیالیاں تیار کیں اور وہ دھیرے دھیرے چسکیاں لینے میں مصروف ہو گئے... تنویر کا موڈ بے انتہا خراب ہو گیا تھا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ لوگوں نے ان کی اچھی خاصی حمایت کر دی تھی اور خود گوریلے نے بھی معذرت چاہ لی تھی ورنہ ان کے لیے الجھنیں پیدا ہو جاتیں اور وہ کسی بھی طور سفر جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔

"اس دنیا میں کیسے عجیب و غریب لوگ ہیں۔ بتاؤ بیٹھے بٹھائے بازو تڑوا بیٹھے۔"

"یہ بات نہیں ہے پیارے۔" صفدر نے دھیرے سے کہا۔ "یہ ان لوگوں میں سے کوئی ایک تھا جن کے لیے ہمیں شنگیاری اسٹیٹ بھیجا جا رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" تنویر چونک پڑا۔

"میں نے گوریلے کو ایک سیاہ جیکٹ والے شخص کی طرف اشارہ کرتے دیکھ لیا ہے۔ وہ ریستوراں سے رخصت ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں بڑی احتیاط سے آگے بڑھنا پڑے گا۔ یہ لوگ بڑے چوکس دکھائی دیتے ہیں اور انھیں ہماری آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔"

"اچھا تو معاملہ شروع ہو چکا ہے۔" تنویر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"یہی سمجھو، شاید اسی قسم کے حالات کی وجہ سے ایکسٹو نے ہمیں تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ ان حالات میں ہمیں خود ہی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" تنویر نے ایک طویل سانس لی اور صفدر کو گھورنے لگا "یہ ایکسٹو ضرور کوئی خبیث روح ہے، نہ جانے کہاں کہاں سونگھتا پھرتا ہے۔ اب بتاؤ، شنگیاری ایک آزاد اسٹیٹ ہے وہاں کے معاملات سے ہمیں کیا دلچسپی

ہو سکتی ہے؟"
"سنو تنویر۔ یکدم برہم نہ ہو جایا کرو۔ جرائم بالکل امراض کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے ہمسایہ ملک میں کوئی وبا پھوٹ نکلتی ہے تو ہمیں چاہیے کہ اس کے تدارک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں۔ اس بات کا سو فیصد امکان ہوتا ہے کہ اس وبا کے جراثیم ہمارے ملک میں بھی تباہی مچا دیں۔ بالکل اسی طرح اگر جرم بڑھ جاتا ہے تو اس کے نقصانات ہم تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے پیارے ہماری تو زندگی انہی چکروں میں گزر جائے گی۔"
"ورنہ کیا ارادے ہیں؟"
"کیا بتاؤں۔ یہ جولی کی بچی کسی ڈھب پر آتی ہی نہیں ورنہ میں تو اس سے شادی کر کے کہیں اطمینان سے زندگی گزارنے کا پروگرام بنا لیتا۔"
"بہت خوب" صفدر نے قہقہہ لگایا۔ "لیکن پیارے ڈھب تو ایک طرف رہا وہ تو تمھیں گھاس تک نہیں ڈالتی، البتہ عمران کوشش کرے تو کامیاب ہو سکتا ہے۔"
"اس الو کے پٹھے کی تو میں کسی دن گردن توڑ دوں گا، نہ جانے خود کو کیا سمجھتا ہے۔" تنویر عمران کے تذکرے پر برافروختہ ہو گیا۔ صفدر ہنسنے لگا۔
"ایکسٹو ہو نہ ہو، یہ عمران ضرور کوئی خبیث روح ہے۔"
صفدر نے دائیں آنکھ دبا دی۔
"چھوڑو یار کس ہری مرچ کا تذکرہ نکال بیٹھے" تنویر نے غرا کر کہا اور یوں منہ چلانے لگا جیسے واقعی کڑوی کسیلی مرچیں چبا رہا ہو۔
"اس ہری مرچ کی کرشمہ سازیوں سے تو تم خوب آگاہ ہو۔ ویسے یار ایک بات تو تمھیں بھی ماننی چاہیے کہ اس نے کئی بار ہماری جان بچائی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ خود اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اُسے ہم سب سے بے پناہ محبت ہے۔"
"ہو گا اس تذکرے کو چھوڑو۔ اٹھو ابھی آگے نہ جانے کتنا سفر باقی ہے۔"
"یہاں سے ہمیں کنمور تک بذریعہ کار سفر کرنا پڑے گا۔"
"کنمور کتنی دور ہے؟"
"صرف چار گھنٹوں کی مسافت پر" صفدر نے نوٹ بک کی ورق گردانی کرتے ہوئے جواب دیا۔
"اور اس کے بعد؟"
"اس کے بعد خچروں کا سفر، کرائے کے خچر ہمیں شنکیاری پہنچا دیں گے۔"
"لاحول ولا۔ کیسا احمقانہ سفر ہے۔" تنویر بڑبڑایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ صفدر نے بل ادا کیا اور دونوں باہر نکل آئے۔ ان کے پاس زیادہ سامان نہیں تھا۔ دونوں کے پاس ایک ایک ہینڈ بیگ تھا اور بس۔ اس ہینڈ بیگ میں سفری ضروریات کی اشیاء کے علاوہ ایک دو جوڑے کپڑے اور تھوڑی سی خشک غذا تھی۔
ریستوراں سے باہر آ کر صفدر نے متلاشی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی غیر معمولی یا مشتبہ چیز دکھائی نہیں دی۔
اس نے اطمینان سے سر کو جنبش دی پھر دونوں ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئے۔
یہ گسرام کا علاقہ تھا۔ انتہائی خوبصورت اور موزوں ترین آب و ہوا کے لیے دور دور تک مشہور تھا۔ صحت افزا مقام ہونے کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے سے سیاحوں کے گروہ کے گروہ یہاں آتے تھے اور مدتوں قیام کر کے یہاں کے خوبصورت اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے تھے۔
گسرام، ملک کا آخری ائیرپورٹ تھا۔ اس سے آگے کنمور اور پھر آزاد ریاستوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ یہ آزاد ریاستیں ایک طرح سے پاکیشیا ہی سے ملحق تھیں اور انھیں وہاں کے سرحدی نگہبان بھی کہا جا سکتا تھا۔
اگر ان ریاستوں میں بغاوت پھیل جائے تو پاکیشیا کے لیے خاصی دردِ سری پیدا ہو سکتی تھی اور ایسے میں اپنی فوج کا بیشتر حصّہ اس طرف متعین کرنا پڑتا جو یقیناً ایک کٹھن کام تھا۔
لیکن حکومت نے ان ریاستوں کے ساتھ کچھ ایسا سلوک روا رکھا ہوا تھا کہ وہ اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ پڑوسی ملک نے اس طرف سے حملہ آور ہونے کا کبھی خیال تک نہیں کیا۔
کبھی کبھار غیر ملکی ایجنٹ وہاں انتشار پھیلانے کی کوشش بھی کرتے تو۔ ۔ ۔ حکومت کی مداخلت کے بغیر ہی ریاستوں کے حکمراں ان پر قابو پا لیتے اور انھیں ایسی عبرتناک سزائیں دیتے کہ وہ آئندہ ادھر کا رخ کرنے کا خیال بھی ذہن میں لانے سے گھبرا جاتے تھے۔
ٹیکسی اسٹینڈ پر اس وقت صرف تین ٹیکسیاں تھیں۔

صفدر نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کنمور جانے والی ٹیکسیوں کے اسٹینڈ کے بارے میں دریافت کیا تو خود اس ڈرائیور نے معقول معاوضے پر کنمور جانے کی ہامی بھر لی۔

چند لمحے غور کرنے اور پھر تنویر سے مشورے کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

ڈرائیور تیس سالہ خستہ حال آدمی تھا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ ٹیکسی جیسے ہی اسٹارٹ ہو کر مین روڈ پر آئی صفدر کی نگاہ ایک ٹرک پر پڑی۔ یہ ٹرک اس وقت ائیر پورٹ کے پارکنگ لاٹ میں کھڑا تھا۔

ٹرک تیزی سے ان کے قریب سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا صفدر نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن جب ٹیکسی مین روڈ سے ایک ایسی سڑک کی طرف گھوم گئی۔ جو گسرام سے کنمور کی طرف جاتی تھی تو اسے وہی ٹرک دکھائی دیا۔ ٹرک اس وقت موڑ پر کھڑا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص بیٹھا دکھائی دیا جس نے سیاہ فیلٹ ہیٹ پہن رکھا تھا لیکن صفدر جس چیز کو دیکھ کر چونکا تھا وہ اس شخص کا سیاہ چمڑے کا جیکٹ تھا گویا یہ وہی شخص تھا۔ جسے اس نے ریستوراں میں گوریلے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے دیکھا تھا۔

اس نے تنویر کی طرف دیکھا۔ تنویر گرد و پیش سے بے نیاز سگریٹ سلگائے اونگھ رہا تھا۔ ٹیکسی تیزی سے کنمور کی طرف بڑھ رہی تھی لیکن صفدر کی نگاہیں عقبی آئینے پر مرکوز تھیں۔ وہ ٹرک کو ٹیکسی کے تعاقب میں آتے دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیور اس تعاقب سے بے خبر ٹیکسی کو ہوا کے دوش پر اڑائے لیے جا رہا تھا۔ لیکن صفدر کا ہاتھ بار بار بے چینی سے بغلی ہولسٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"آپ کو صرف کنمور جانا ہے صاحب یا آگے بھی جائیں گے؟" ڈرائیور نے طویل خاموشی سے اکتا کر صفدر سے دریافت کیا۔

"ارادہ تھا کہ گسرام میں چند روز قیام کر کے کنمور جائیں لیکن ہم سرکاری سرے پر جا رہے ہیں اس لیے مجبوراً آج ہی وہاں پہنچنا ہے۔ کنمور سے آگے جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔" صفدر نے عقبی آئینے میں سڑک پر نگاہ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

ٹرک تیزی سے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ سڑک دور دور تک ویران دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً ٹرک کا ہارن سنائی دیا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی ایک طرف کر لی اور ٹرک سنسناتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ قریب سے گزرتے وقت ٹرک ذرا سا لہرایا تھا لیکن ڈرائیور نے انتہائی مشاقی سے ٹیکسی کو لہرا کر خود کو بچا لیا ورنہ ان کی ٹیکسی الٹ ہی جاتی۔

"ان لوگوں نے تو سڑک کو اپنے باپ کی ملکیت سمجھ رکھا ہے۔" ڈرائیور بڑبڑایا۔

دفعتاً وہ بری طرح سے چونک پڑا اور اس کے چہرے پر خوف کی زردی چھا گئی۔ صفدر نے ڈرائیور کے چہرے کی تبدیلی کو واضح طور پر محسوس کیا۔ اس نے مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بڑے ہی نرم لہجے میں بولا "کیوں دوست۔ کیا تم ٹرک ڈرائیور کو جانتے ہو؟"

"آں۔ جی... یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا؟"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے اسے پہچان لیا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں جناب۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔" ڈرائیور نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا پھر اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے "وہ گسرام میں ایک شخص ٹام ہے یہ اس کا گرگا ہے۔ ٹام کا گروہ بڑا ہی بدنام ہے یہ لوگ بڑی بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں۔"

"کیا پولیس انھیں کچھ نہیں کہتی؟"

"سب پیسے کا کھیل ہے صاحب۔ آپ کی جیب میں پیسہ ہو تو آپ کیا نہیں کر سکتے؟ میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہا ہوں صاحب؟"

"ٹھیک کہتے ہو۔" صفدر نے مسکرا کر کہا "لیکن تم اس ٹرک ڈرائیور کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"یہ جمی ہے صاحب، بڑا ہی خطرناک، ٹرک سے لوگوں کو کچل دینا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ کئی آدمیوں کو اس طریقے سے قتل کر چکا ہے۔ اب نہ جانے کس ارادے سے جا رہا ہے۔ میں نے دیکھا تھا کہ وہ ٹیکسی کے قریب سے گزرتے ہوئے مسکرایا ہے۔ کہیں وہ ہمارے پیچھے تو نہیں پڑ گیا؟" ڈرائیور یہ کہہ کر واضح طور پر کانپنے لگا۔ اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر کانپ رہے تھے۔

"توجہ سے ڈرائیو کرو دوست اگر وہ ہمارے درپے ہے تو ہم ایسے غنڈوں سے نمٹنا خوب جانتے ہیں۔" صفدر نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور نے جیسے ہی ریوالور کی طرف دیکھا اس کی روح فنا ہو گئی۔ پھر وہ کچھ بڑبڑانے لگا۔ شاید وہ اس

وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے صفدر اور تنویر کو کمنور پہنچانے کا ارادہ کیا تھا۔ صفدر ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے سامنے دیکھتا رہا۔

تنویر جو اس وقت تک اونگھتا رہا تھا ٹیکسی کے یکدم لہراتے ہی ہوش میں آ گیا تھا اور اس نے وہ تمام باتیں بھی سن لیں، جو صفدر اور ڈرائیور کے درمیان ہوئی تھیں۔ حالات کو مخدوش محسوس کر کے وہ بے انتہا چوکنا دکھائی دینے لگا۔

صفدر کو ریوالور نکالتے دیکھ کر اس نے بھی ریوالور نکال لیا۔ ڈرائیور نے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں جب اُسے بھی ریوالور نکالتے دیکھ لیا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے مارے خوف کے حلق سوکھ گیا ہو اور اس میں کانٹے پڑ گئے ہوں۔

"سنو دوست!" تنویر نے اُسے گھبراتے دیکھ کر کہا۔ "فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہم دونوں ہی تربیت یافتہ فوجی ہیں اگر اس جی نامی بدمعاش نے کوئی غلط حرکت کی تو ہم اُسے ایسا سبق دیں گے کہ عمر بھر یاد رکھے گا!"

"لیکن جناب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ پروا نہ کرو، ہم اس سے نمٹ لیں گے۔" صفدر نے ایک بار پھر اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔

"ٹھیک ہے صاحب۔ اب تو اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے۔ جو بھی ہو دیکھا جائے گا۔" ڈرائیور نے قدرے مطمئن لہجے میں کہا لیکن اس کے چہرے پر خوف زدگی کی تمام علامتیں ظاہر تھیں۔

ٹیکسی کی رفتار بے انتہا تیز تھی۔ ٹرک اب نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور کے چہرے پر مزید اطمینان کے تاثرات پھیل گئے۔ اس کی گھبراہٹ کافی حد تک دور ہو گئی تھی "میرا خیال ہے، وہ کسی کام سے کمنور ہی جا رہا تھا۔" وہ بولا۔

"نہیں۔" صفدر نے قطعی لہجے میں کہا۔ "وہ ہمارے لیے تاک لگائے بیٹھا ہو گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا صاحب؟" ڈرائیور نے کہا۔

"سمجھ جاؤ گے۔" صفدر نے کہا اور سامنے دیکھنے لگا۔ اس طرف ایک پہاڑی تھی۔ سڑک اس پہاڑی کے گرد گھومتی ہوئی آگے بڑھتی تھی۔ جیسے ہی ٹیکسی موڑ سے ذرا آگے پہنچی، صفدر نے ٹیکسی ڈرائیور کو گاڑی آہستہ کرنے کے لیے کہہ دیا۔ ٹیکسی کی رفتار کم ہو گئی۔

موڑ سے گھومتے ہی انھیں ٹرک دکھائی دیا۔ وہ انہی کی طرف آ رہا تھا۔

"تنویر۔ خیال رکھنا یہ ایکسیڈنٹ کرنے کے موڈ میں دکھائی دیتا ہے۔" صفدر نے کوڈ ورڈز میں کہا۔

"اوہ! مگر یہ کون شخص ہے؟" تنویر نے چونک کر دریافت کیا۔

"یہ وہی ہے جس کے بارے میں ریستوراں میں تمھیں بتایا گیا تھا۔"

"اوہ! تو ٹیکسی روکو اس سے نمٹ لیں۔" تنویر پُرجوش لہجے میں بولا۔

"میرا خیال ہے یہ خطرناک ہو گا۔" صفدر بولا۔ "اور جیسے ہی ٹرک قریب آئے تم لڑھک کر ڈھلان کی طرف کود جانا۔ میرا خیال ہے یہ دستی بم پھینکے گا۔ دیکھو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دبی ہوئی ہے۔"

تنویر نے ٹرک ڈرائیور کی طرف دیکھا جس کے ایک ہاتھ میں کچھ دبا ہوا تھا۔

ڈرائیور کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا صفدر اور تنویر کی گفتگو چونکہ اس کے لیے بالکل ہی نئی تھی اس لیے اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دکھائی دینے لگے۔

"سنو دوست۔ یہ شخص ہم پر دستی بم پھینکنے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا جیسے ہی ٹیکسی، ٹرک کے قریب پہنچے گاڑی سے کود جانا۔" صفدر نے ڈرائیور سے کہا اور ٹرک کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار مزید کم کر دی۔

ٹرک کی رفتار صفدر کے بدترین خدشات کی تصدیق کرنے کو کافی تھی۔ دفعتاً وہ چلایا۔ "کود جاؤ۔"

یکایک ٹیکسی کے تینوں دروازے بیک وقت کھلے اور انھوں نے چھلانگیں لگا دیں۔ ٹیکسی لہرائی اور سیدھی ٹرک کی طرف بڑھتی چلی گئی، جبکہ صفدر ڈھلان پر پھسلتا چلا گیا۔ اس نے چھلانگ لگانے سے قبل جو منظر دیکھا... وہ یہ تھا کہ ٹرک کے ڈرائیور نے کوئی چیز اپنے منہ کی طرف لے جا کر دانتوں سے اسے کھینچا تھا۔ غالباً اس

نے دانتوں سے بم کی پن نکالنے کی کوشش کی تھی۔
صفدر اس سے واقف تھا۔ وہ خود بھی بارہا اسی طرح دستی بموں کی پن کھینچ کر انھیں پھینک چکا تھا۔

ٹرک کی آمد کا شور انھیں اپنے سروں پر سنائی دینے لگا۔

صفدر اپنے دونوں ساتھیوں کی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ تنویر کے بارے میں تو اسے یقین تھا کہ وہ کود کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ گیا ہوگا لیکن اناڑی ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں اسے خاصی فکر لاحق تھی۔

وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ وہ بھی کسی پناہ گاہ تک پہنچ گیا ہو۔ دفعتاً اسے تنویر کی غراہٹ سنائی دی۔ اس کی غراہٹ ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ کانوں کے پردے شق کر دینے والا دھماکا سنائی دیا۔

صفدر کو یوں محسوس ہوا جیسے زمین کپکپا گئی ہو۔

ٹیکسی کے شیشے پھلجھڑی کی طرح مختلف سمتوں میں پھیلتے دکھائی دیے۔ ان میں سے چند ایک صفدر کے جسم سے بھی ٹکرائے لیکن وہ اس قدر فاصلے پر تھا کہ شیشے کے ٹکڑے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے البتہ اسے ایک دل خراش چیخ ضرور سنائی دی تھی۔

شیشے کے ٹکڑوں کی بارش تھمی اور ٹرک کی گرج معدوم ہوئی تو وہ اچک کر کھڑا ہو گیا اور تیزی سے سڑک کی طرف بھاگا۔ سامنے آفت زدہ ٹیکسی کھڑی تھی۔ یہ وہی ٹیکسی تھی جسے چند لمحے پیشتر وہ ثابت و سالم حالت میں چھوڑ کر کود گیا تھا۔

ٹیکسی کی حالت انتہائی شکستہ تھی۔ اس کی مڑی تڑی کھڑکیوں سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ وہ ناقابلِ استعمال ہو چکی تھی۔

صفدر نے جلدی سے دوسری طرف دیکھا اور اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور ختم ہو چکا تھا۔ بم کے طاقتور دھماکے نے ڈرائیور کا جسم بری طرح مسخ کر کے سیٹ سے چپکا دیا تھا۔ اس کے جسم سے خون ابل رہا تھا۔ اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔

صفدر نے تباہ کاریوں کا جائزہ لیا۔ اسے یاد آگیا کہ اس قسم کے دستی بموں سے دھات کے اڑتالیس ٹکڑے مختلف سمتوں میں تیز رفتاری سے اڑتے ہیں جو چیز ان

"ایک قیدی نے شیر کے کان میں کچھ کہہ کر اپنی جان بچالی۔"
"اس نے کیا کہا تھا؟"
"یہی کہ اگر آپ نے مجھے کھا لیا تو ڈنر کے بعد خواتین و حضرات کے سامنے تقریر کرنا پڑے گی۔" جواب ملا۔

کی زد میں آجاتی ہے اس کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔

اس دھماکے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تنویر نہ جانے کہاں تھا۔ ٹیکسی کا اندرونی حصہ بم کی براہِ راست زد میں آیا تھا اور بم سے خارج ہونے والے ضرر رساں مہلک ٹکڑے گاڑی کے فریم سے ٹکرا گئے تھے۔ انھی میں سے بعض نے ٹیکسی ڈرائیور کو نشانہ بنایا تھا۔

بم پھینکنے والا ٹرک نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

"تنویر!" صفدر نے حلق پھاڑ کر تنویر کو آواز دی۔

چند ہی لمحوں بعد تنویر نے سڑک کے دوسرے کنارے سے سر ابھارا، پھر سڑک پر آگیا۔ اس کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ دائیں ہاتھ میں ریوالور تھا جس پر اس کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ اگر وہ ریوالور کے دستے کی بجائے کوئی اور چیز رہی ہوتی تو یقیناً پچک کر اس کا حلیہ بگڑ گیا ہوتا۔

"ڈرائیور کا کیا حال ہے؟" تنویر نے پھیکی ہنسی کے ساتھ دریافت کیا۔

"ختم ہو گیا۔ وہ ٹیکسی سے کودنے میں ناکام رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے ٹرک والا جائزہ لینے کے لیے ضرور واپس آئے گا۔" تنویر نے خیال آرائی کی۔

"ہاں۔ تم جا کر اسی حصے میں چھپ جاؤ جہاں پہلے تھے۔ میں دوسری طرف سے دیکھتا ہوں۔" صفدر نے دور سڑک پر ایک سیاہ دھبہ دیکھ کر کہا۔ وہ دھبہ دھیرے دھیرے انھی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اگر وہ ٹرک ہی تھا تو ابھی ان سے خاصا دور تھا۔ وہ بہ آسانی پوزیشن لے سکتے تھے۔

"خیال رکھنا جیسے ہی وہ ٹرک سے نیچے اترے فائر کر دینا۔" تنویر نے غرا کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ ٹرک روک کر نیچے اترے تو اُسے زندہ حالت میں پکڑ لیا جائے۔ اس طرح ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

"جہنم میں گیا۔ میں تو اسے فوراً ہی گولی مار دوں گا۔" تنویر نے جھلا کر پاؤں پٹخے۔

"پھر کمنور تک پیدل مارچ کرو گے۔ کیوں؟" صفدر غرّایا۔

تنویر نے اپنا نچلا ہونٹ چبایا اور ڈھلان میں رینگ گیا۔ صفدر بھی کود کر مخالف سمت میں پہنچ گیا۔ اس نے ایک ابھری ہوئی چٹان کی آڑ لے لی اور دبک کر بیٹھ گیا۔ سڑک پر دکھائی دینے والا دھبہ اب قریب آتا جا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ وہی ٹرک والا ہو۔ ورنہ کچھ عجب نہیں تھا کہ انھیں کمنور تک پیدل ہی چلنا پڑتا۔ کیونکہ وہ کوئی دوسری گاڑی ہوتی تو اسے روکنا قطعی طور پر مشکل ہی تھا۔

دھبہ کچھ اور قریب آگیا۔

صفدر کا دل بلّیوں اچھلنے لگا۔ یہ وہی ٹرک تھا جس سے ان کی ٹیکسی پر بم پھینکا گیا تھا۔ اس نے ریوالور کا چیمبر کھول کر اس کی گولیاں چیک کیں اور ٹرک پر نگاہیں جما دیں، جو لمحہ بہ لمحہ ان کے قریب آ رہا تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔

جب ٹرک کچھ قریب پہنچا تو صفدر کے ذہن پر اداسی سی پڑ گئی۔ ٹرک کی رفتار بتا رہی تھی کہ اس کا ڈرائیور اسے روکنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ گویا وہ خاصی سوجھ بوجھ والا آدمی تھا اور حالات کا جائزہ لیے بغیر وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔

دفعتاً ایک فائر ہوا اور اس کے ساتھ ہی کان پھاڑ دھماکا۔ صفدر کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ غالباً تنویر نے ٹرک کے کسی ٹائر کو نشانہ بنایا تھا۔

ٹرک بری طرح سے لہرایا پھر دو تین دھچکوں کے بعد رک گیا۔

فوری طور پر کوئی نیچے نہیں اترا۔ صفدر خاموشی سے بیٹھا مناسب وقت کا انتظار کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس کے دروازے سے کسی کی فیلٹ ہیٹ کا گوشہ دکھائی دیا۔ صفدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

وہ ٹرک سے اترا تو صفدر نے فوراً پہچان لیا۔ وہ وہی سیاہ جیکٹ والا تھا۔ صفدر نے ریوالور والا ہاتھ اٹھا کر اس کا نشانہ لے لیا۔ جیکٹ والا، جس کا نام ٹیکسی ڈرائیور نے جمی بتایا تھا، بڑے ہی محتاط انداز میں ٹرک کی آڑ لیے اس کے عقبی حصے کی طرف جا رہا تھا۔

غالباً وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے دشمن سڑک کے اس حصے کی طرف روپوش ہیں جدھر سے فائر کیا گیا تھا۔ یہی خیال اس کے لیے قیامت خیز ثابت ہوا۔ صفدر ٹیلے کی اوٹ سے نکلا اور غرّا کر بولا "رک جاؤ جمی۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو اور اپنا ریوالور سڑک پر پھینک دو۔"

جمی ٹھٹک کر رہ گیا۔

دفعتاً وہ پھرتی سے پلٹا اور صفدر کے منہ سے واہ نکل گئی۔ اس نے بڑا ہی کامیاب نشانہ لگایا تھا لیکن صفدر تیزی سے وہ جگہ چھوڑ چکا تھا۔ شاید اسے پہلے ہی سے اس کی توقع تھی۔ اس سے پیشتر کہ جمی دوسرا فائر کرتا، صفدر کے ریوالور نے ایک شعلہ اگل دیا۔

گولی سنسناتی ہوئی اس کی پیشانی پر پڑی۔ وہ کراہ کر الٹ گیا۔ چند لمحے تڑپتا رہا پھر ساکت ہو گیا۔ صفدر بڑی احتیاط سے آگے بڑھتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ جمی کا ریوالور اس سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے جھک کر ریوالور اٹھا لیا اور تاسف سے ایک گہری سانس لی... اس نے جمی کی ٹانگوں کا نشانہ لیا تھا لیکن جمی فائر کرتے ہی فوراً جھک گیا تھا۔ اس لیے گولی اس کی پیشانی پر ہی بیٹھی اور اس کی کھوپڑی کے چیتھڑے اڑ گئے۔

صفدر نے تنویر کو پکارا۔ تنویر اپنی کمیں گاہ سے نکل کر سامنے آگیا۔ اس نے جمی کی لاش دیکھی تو لپک کر قریب آگیا۔

"کیا یہ ختم ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے گولی تو ذرا نیچے چلائی تھی لیکن یہ خلافِ توقع جھک گیا۔"

"چلو۔ خس کم جہاں پاک۔ میرا خیال ہے ٹرک میں کوئی فالتو وھیل ضرور ہو گا۔" تنویر یہ کہہ کر عقبی حصے پر چڑھ گیا۔ وہاں واقعی ایک فالتو وھیل پڑا تھا۔ دونوں نے مل کر وھیل بدلا اور بیس منٹ بعد وہاں سے آگے بڑھے۔

صفدر کی پیشانی پر فکر کی سلوٹیں تھیں۔

تنویر بھی سوچ کی گہرائیوں میں غوطہ زن تھا...

لیکن اب وہ کسی بات پر تبصرہ نہیں کر رہا تھا۔۔ ٹرک کی رفتار بے حد تیز تھی۔ پٹرول خاصا تھا اس لیے انھیں کنمور پہنچنے میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوئی۔

شہر سے باہر ہی ایک جگہ انھوں نے ٹرک سے پیچھا چھڑا لیا اور سیاحوں کے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس طرف چل دیے جہاں خچر وغیرہ مل سکتے تھے
تنویر خچروں کے سفر سے بھنّایا ہوا تھا۔ اس لیے وہ بڑبڑاتا رہا۔ صفدر نے اس کے بڑبڑانے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا مبادا وہ بھڑک ہی جائے۔

جلد ہی وہ خچروں کی منڈی میں پہنچ گئے۔



تین طرف اونچی اونچی ہری بھری پہاڑیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔

پتھریلے راستے پر ان کے خچر متوازن رفتار سے چلے جا رہے تھے۔ سورج کی تمازت کچھ کم ہو گئی تھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ راستہ سیدھا تھا اور زیادہ ڈھلان بھی نہیں تھی۔ اس لیے ان کا سفر پُرخطر ثابت نہیں ہو رہا تھا، اس کے باوجود تنویر کا موڈ بے حد خراب تھا۔

خچر کی سواری اور ناہموار راستے پر اچھل کود سے اُسے اپنے معدے میں گرانی سی محسوس ہونے لگی ممکن ہے اُسے یہ نفسیاتی طور پر محسوس ہوا ہو۔ تاہم وہ بار بار اس آبادی کی طرف دیکھ رہا تھا جو سامنے کی پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی

آبادی اگرچہ سامنے ہی نظر آ رہی تھی لیکن صفدر کو اندازہ تھا کہ انھیں ابھی کم و بیش دو گھنٹے تک سفر کرنا پڑے گا۔ عمارتیں زیادہ تر پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ کچھ آگے بڑھ کر مختلف پگڈنڈیاں مختلف اطراف میں جاتی دکھائی دیں۔

صفدر الجھن میں پڑ گیا۔

اس نے سوچا کہ ممکن ہے ان راستوں میں سے کوئی ایک شنکیاری کو بھی جاتا ہو۔ اور بغیر معلوم کیے کسی راستے پر چلنے کی صورت میں انھیں طوالت اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑے۔

دفعتاً صفدر کی نگاہ ایک بوڑھے آدمی پر پڑی جو ایک پہاڑی ٹٹو پر سوار خراماں خراماں ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صفدر نے خچر روک لیا۔ تنویر نے بھی خچر کی لگامیں کھینچ لیں اور تیوریوں پر بل ڈال کر جیب ٹٹولنے لگا۔ سگریٹ

"میں ایک شخص پر دعویٰ کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے میری ہتک کی تھی اور مجھے گینڈا کہا تھا"
"یہ کب کا ذکر ہے؟"
"پانچ سال پہلے کا"
"تو تمھیں یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا؟"
"آج میں نے پہلی بار چڑیا گھر میں گینڈا دیکھا ہے!"

کا پیکٹ نکال کر اس نے سگریٹ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لے کر نیم باز نگاہوں سے اس بوڑھے کو دیکھنے لگا۔

بوڑھا ان سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر تھا۔

"کیوں بڑے میاں" صفدر نے اُسے پکارا "شنکیاری کے لیے کونسی پگڈنڈی مناسب رہے گی؟" اس نے وضاحت طلب نگاہوں سے بوڑھے کی طرف دیکھا لیکن بوڑھا یوں آگے بڑھتا چلا گیا جیسے اس نے صفدر کی بات سنی ہی نہ ہو۔

صفدر نے اپنا سوال دُہرایا لیکن جواب ندارد۔ بوڑھا شاید بہرہ بلکہ اندھا بھی تھا کیونکہ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ ان کے قریب سے گزر گیا۔ ظالم نے ایک بار بھی تو نگاہ اُٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اندھا نہیں تھا یہ تو ان دونوں کو یقین تھا کیونکہ اس نے ان کے قریب پہنچنے پر اپنے ٹٹو کا رخ ذرا سا موڑ کر ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا تھا۔

تنویر اور صفدر حیرت سے اُسے دیکھتے رہ گئے۔

"کیا یہ بہرہ تھا؟" تنویر نے مُنہ بنا کر کہا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ بوڑھے آدمی عموماً سماعت کی خرابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں" صفدر نے مسکرا کر تنویر کی طرف دیکھا تھا، جو مڑ کر قہر آلود نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔

"چلو یار کیوں وقت ضائع کرتے ہو، اگر سورج غروب ہو گیا تو ہماری ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ نہ جانے آگے راستہ کس قسم کا ہے" تنویر نے خچر کو چابک رسید کرتے ہوئے کہا۔

صفدر نے اپنے خچر کو بھی ہانک دیا۔

پگڈنڈی اس قدر پتلی تھی کہ صرف ایک ہی خچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ وہ آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ انھیں چار

گھڑ سوار دکھائی دیے۔ وہ انہی کی طرف آ رہے تھے۔
"ان سے معلوم کرتے ہیں۔" صفدر بڑبڑایا۔
انھوں نے اپنے خچروں کی رفتار قدرے تیز کر دی۔ سواروں کے قریب پہنچ کر صفدر نے بڑی ہی خوش اخلاقی سے مسکرا کر دریافت کیا۔ "آپ میں سے کوئی صاحب شنکیاری کا راستہ بتا سکتے ہیں ایسا راستہ جس سے ہم بھٹکے بغیر آبادی تک پہنچ جائیں۔"
لیکن صفدر کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ انھوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور دو دو کی قطاریں بنا کر ان کے دائیں اور بائیں سے گزر گئے۔
تنویر نے پہلے تو حیرت سے ان کا جائزہ لیا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ پھر خونخوار لہجے میں دریافت کیا۔ "تم لوگ بولتے کیوں نہیں۔ ہم نے شنکیاری کے لیے کسی مناسب پگڈنڈی کا پوچھا ہے۔"
تب گھڑ سوار نے نگاہ اٹھا کر تنویر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور نفرت کے ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ خاصے تن و توش کا آدمی تھا اس نے تنویر کا ہاتھ جھٹک کر لگام چھڑائی اور گھوڑے کی رکاب کو پاؤں سے جھٹک کر گھوڑے کو آگے بڑھا لے گیا۔ تنویر دانت پیس کر رہ گیا۔ "الو کا پٹھا۔" تنویر دانت پیس کر غرایا۔
"ایک نہیں سب ہی الو کے پٹھے معلوم ہوتے ہیں۔" صفدر نے قہقہہ لگا کر کہا۔
"چلو یار اس ایکسٹو کے بچے کی ماتحتی میں ابھی اور نہ جانے کیا کیا دیکھنا پڑے گا۔" تنویر نے خچر کو آگے بڑھا دیا۔ دفعتاً اس کی نگاہ ایک شخص پر پڑی۔ وہ پیدل ہی ان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اس نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے، دیکھنے میں انتہائی معقول نظر آ رہا تھا۔
"مجھے بات کرنے دینا۔" تنویر غرایا۔
"تم مرنے مارنے پر اتر آئے ہو۔" صفدر اس کی جھلاہٹ سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
جیسے ہی وہ شخص قریب پہنچا، تنویر خچر سے کود گیا۔
"ستو میاں۔ کیا تم شنکیاری جانے کے لیے موزوں ترین پگڈنڈی بتا سکتے ہو؟"
اس شخص نے پہلے تو حیرت سے ان کی طرف دیکھا پھر سر جھکا کر جانے لگا تو تنویر کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے خچر کی لگام چھوڑی اور اس کی طرف لپکا۔ اس شخص نے جیسے ہی تنویر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا بدک کر دور جا کھڑا ہوا۔ تنویر بکتا جھکتا اس کے پیچھے بھاگا۔
وہ شخص تیزی سے اونچے نیچے پتھریلے راستے پر بھاگا چلا جا رہا تھا۔ مارے جھلاہٹ کے تنویر اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ دفعتاً اسے ٹھوکر لگی اور وہ زمین پر آ رہا۔ اگرچہ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پھر بھی اس کے گھٹنے چھل گئے۔ مارے تکلیف کے وہ کراہ اٹھا اور اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔
وہ شخص بگٹٹ بھاگا جا رہا تھا اور صفدر پیٹ پکڑے قہقہے لگانے میں مصروف تھا۔ آج تک راستہ معلوم کرنے کا اس قدر دلچسپ حادثہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔
تنویر دہاڑ کر اٹھا اور تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا۔ آخر ایک جگہ اس نے اسے جا لیا اور جاتے ہی گریبان پکڑ کر دو تین جھانپڑ رسید کر دیے۔ وہ شخص مارے خوف کے سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ مار کھانے کے بعد وہ چلانے بھی لگا تھا۔
صفدر نے چلا کر تنویر کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن تنویر پر تو غصے کا بھوت سوار تھا۔ وہ اسے مارتا ہوا اس طرف لا رہا تھا جہاں ان کے خچر کھڑے تھے۔
دفعتاً اس شخص نے جھٹکا مار کر اپنا گریبان چھڑا لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے بھاگ اٹھا۔ تنویر نے جست لگائی اور اسے رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔
"تمہارے تو فرشتے بھی راستہ بتائیں گے۔" تنویر نے اس کے چہرے پر گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے ہاتھ مشینی انداز میں چلنے لگے۔ صفدر نے جب اس شخص کی درگت بنتے دیکھی تو وہ خچر کو ایڑ لگا کر ان کے قریب پہنچ گیا۔ پھر خچر سے کود کر تنویر پر جھپٹا اور اسے الگ کر کے اس شخص کو اٹھا کر کھڑا کیا اور اس کے کپڑے جھاڑنے لگا۔ چند لمحوں بعد اس شخص کی حالت معمول پر آئی تو صفدر نے نرم لہجے میں دریافت کیا۔ "کیا بات ہے تم لوگ بولتے کیوں نہیں ہو۔ ہم سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہم دوست ہیں۔"
وہ شخص ٹکر ٹکر ان کی صورتیں دیکھتا رہا۔
"یہ یوں نہیں بولے گا۔" تنویر گھونسہ تان کر اس کی طرف لپکا۔ جیسے اسے فنا کر دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

اس شخص نے تنویر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ایک چیخ ماری اور اچھل کر صفدر کے خچر پر سوار ہو گیا اگلے ہی لمحے وہ دونوں پاگلوں کی طرح خچر کے پیچھے بھاگ رہے تھے لیکن خچر وہاں کہاں تھا۔ سوار نے خچر کو ایڑ لگائی اور خچر اندھا دھند پتھریلے راستوں پر بھاگتا ہوا چشم زدن میں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب دور دور کسی متنفس کا نام ونشان تک نہ تھا۔

صفدر نے تنویر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں "عجیب چکر ہے یار۔ یہ لوگ ہم سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں؟"

"اُسے تو چھوڑو پیارے۔ ایکسٹو کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اس کے دو ہونہار ایجنٹوں سے ایک دیہاتی خچر اُچک کر لے گیا ہے۔ تو کیسا رہے گا... اور خاص طور سے اس بات کا لطف یوں دوچند ہو جاتا ہے کہ راستہ معلوم کرنے کیلیے سب جتن ہو رہے ہیں۔ مجھے تشویش ہے کہ جب ان لوگوں کا یہ حال ہے تو بستی میں نہ جانے کیا عالم ہوگا۔" تنویر نے متفکر لہجے میں کہا۔

"چھوڑو یار، ان باتوں کو ذہن سے جھٹک دو۔ کہیں تمہارا خچر بھی بھاگ دوڑ کے موڈ میں آگیا تو مزے ہی آجائیں گے۔" صفدر نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے اس خچر کی طرف بڑھ گئے جو کان اٹھائے غور سے انھیں دیکھ رہا تھا... انداز ایسا تھا جیسے اپنے ساتھی کے بارے میں استفسار کر رہا ہو۔

صفدر کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"شش... منہ بند رکھو۔" تنویر دھیرے سے غرایا۔ "کہیں یہ کمینہ بھی بدک گیا تو کیا ہوگا۔" تنویر نے یہ کہہ کر ذرا احتیاط سے خچر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا لیکن خچر نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر ہنہنانے لگا۔

"وہ تو خیر ہوئی کہ بیگ میرے کندھے پر تھا ورنہ خچر کے ساتھ یہ بھی جاتا۔" صفدر نے ہنس کر کہا۔ تنویر نے اپنے خچر کی لگام پکڑی اور کود کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ صفدر بھی اچک کر اس کے عقب میں بیٹھ گیا اور ایک بار پھر ان کا سفر شروع ہو گیا۔ لیکن اس بار بھی انھیں صحیح پگڈنڈی کا علم نہیں ہو سکا، البتہ وہ خچر سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھے۔

صفدر اس الجھن کا شکار تھا کہ وہ لوگ ان کی باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس کے ماتھے پر تشویش کی شکنیں نمودار ہو گئیں اور یہ سوچ کر تو اسے مزید حیرت ہوئی کہ اس نے ان چاروں کو بھی آپس میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا تھا جو گھوڑوں پر سوار اُن کے قریب سے گزرے تھے۔

یہ تو اسے معلوم ہی ہو گیا تھا کہ وہ اس وقت... شنکیاری اسٹیٹ میں سفر کر رہے ہیں۔ یہ علاقہ عام آدمیوں کے لیے ممنوع تھا۔ اسٹیٹ کی شہزادی شاذ ہی اجنبیوں کو اپنے علاقے میں آنے کی اجازت دیتی تھی۔ اگرچہ ان دونوں کے پاس کوئی اجازت نامہ نہیں تھا تاہم انھیں اس کی فکر نہیں تھی۔ ظاہر ہے یہ ایکسٹو کا معاملہ تھا۔ اور اسے ہی سنبھالنا تھا۔

اجازت نامے کے بارے میں انھیں کنمور کی منڈی سے ہی معلوم ہوا تھا۔ خچر فروش نے اجازت نامے کے بغیر خچر فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہ غلطی تو اُن سے ہو ہی گئی تھی کہ انھوں نے خچر خریدنے سے پہلے اُسے بتا دیا تھا کہ ان کا ارادہ شنکیاری جانے کا ہے۔

بعدازاں زائد رقم ادا کر کے خچر تو خرید لیے لیکن یہ الجھن ضرور رہی کہ ایکسٹو نے اجازت ناموں کے بارے کیوں نہیں کچھ کیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُسے اس بات کا علم ہی نہ رہا ہو؟ اس بات کا بہت ہی کم امکان تھا تاہم وہ بھی تو حکم کے غلام تھے آگے بڑھتے چلے آئے۔

تنویر کا خیال تھا کہ ریاست کے نگراں انھیں دیکھتے ہی گولی مار بھی سکتے ہیں لیکن صفدر اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اجازت ناموں کو دیکھنے سے پہلے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب تک انھیں کوئی محافظ دکھائی نہیں دیا تھا البتہ جو راہ گیر ملے تھے انھوں نے ہی انھیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔

تنویر کا منہ یوں سوزش زدہ دکھائی دے رہا تھا جیسے کئی بھڑوں نے صرف منہ پر ہی کاٹ لیا ہو۔ وہ بار بار اس

آبادی اور اس کے مکینوں کی شان میں ایسی ایسی مغلظات تخلیق کر رہا تھا کہ اگر بات مقابلے کی ہوتی تو یقیناً اسے ایوارڈ مل جاتا۔

کچھ دور چل کر انھیں ایک صاف پانی کی ندی دکھائی دی۔ انھیں اس علاقے میں آئے کئی گھنٹے گزر گئے تھے اور انھوں نے اب تک آرام نہیں کیا تھا۔ ارادہ تھا کہ بستی میں پہنچ کر ہی آرام کریں گے لیکن تھکن اور جھنجلاہٹ نے بے حال کر دیا تو تنویر نے خچر روک کر صفدر کو اترنے کے لیے کہا اور دونوں ندی کے کنارے بیٹھ گئے۔

تنویر نے ابھی تک خچر کی لگامیں تھام رکھی تھیں شاید اسے خدشہ تھا کہیں وہ بھاگ ہی نہ جائے۔ بیزاری کے آثار اس کے چہرے پر واضح تھے اس لیے صفدر نے اُسے چھیڑنا مناسب خیال نہیں کیا۔

صاف شفاف پانی کی یہ ندی پتھروں سے اٹکھیلیاں کرتی کناروں سے مَس کرتی ہوئی آہستہ خرامی سے اور کہیں کہیں اُچھلتی کودتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہاں کچھ گھنے درخت بھی تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا اس لیے سردی بھی کچھ بڑھ رہی تھی۔

ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری کرنیں برف پوش پہاڑوں پر پڑ کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں لیکن تنویر کو اس ماحول میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ متواتر بوریت سے تنگ آ گیا تھا اور زندگی سے بیزار دکھائی دیتا تھا۔

وہ بار بار ایکسٹو کی شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا اور جب کبھی اس کی ذہنی رو عمران کی طرف بھٹک جاتی تو وہ ران پر گھونسہ مار کر قسم کھاتا کہ اس سلسلے میں عمران ملوث ہوا تو وہ اس کی گردن ہی توڑ دے گا۔

دفعتاً اسے ایک آدمی دکھائی دیا۔ وہ ندی کے کنارے چلا آ رہا تھا۔ تنویر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے خچر کی لگامیں صفدر کو تھمادیں اور اس شخص کی طرف بھاگا۔ وہ شخص پہلے تو کچھ سمجھا ہی نہیں لیکن جب وہ معاملے کی تہ تک پہنچا تو تنویر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن تنویر نے ریوالور نکال کر اسے روک لیا۔ "میرے ساتھ آؤ..." تنویر نے غرا کر اس شخص سے کہا اور اسے لے کر صفدر کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچے۔ اچانک چٹانیں فائر کی آواز سے گونج اٹھیں اور دیر تک اس کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ ایک گولی تنویر کے کان کے پاس سے سنسناتی ہوئی گزر گئی۔

تنویر جلدی سے زمین پر گر گیا۔ صفدر بھی لیٹ گیا۔ فائر کی آواز نے خچر کو بدکا دیا تھا۔ لیکن لگامیں صفدر کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے وہ بھاگ نہ سکا۔ صفدر نے اُسے پچکارا۔ پھر سر زمین سے چپکا دیا۔

پے در پے دو تین فائر ہوئے اور گولیاں ان کے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" تنویر بڑبڑایا۔

"میرا خیال ہے محافظ ہیں" صفدر نے جواب دیا۔

فائرنگ ندی کے دوسرے کنارے سے ہو رہی تھی کہ یکایک انھیں ایک چٹان کی اوٹ سے کئی آدمی نکلتے دکھائی دیے، جو فائرنگ کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے تھے صفدر اور تنویر نے بھی ریوالور نکال لیے لیکن اب تک انھوں نے جواباً ایک بھی فائر نہیں کیا تھا۔

"پیچھے کھسک چلو" صفدر نے سرگوشی کی۔ اس نے خچر کی لگام چھوڑ دی اور خچر، فائروں کے دھماکوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگتا ہوا نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔

"کیا خیال ہے شروع کر دوں فائرنگ؟"

"نہیں" صفدر نے سخت لہجے میں کہا "ہم خطرے میں ہیں وہ فائرنگ سے مزید بھڑک اٹھیں گے... ارے وہ آدمی کہاں گیا؟" اس نے چونک کر اس طرف دیکھا جہاں تنویر کا معتوب لیٹا ہوا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ ندی کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ شخص ندی میں کود کر دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دائیں ہاتھ پر پتھروں کا ایک ٹیکرا دکھائی دیا۔ وہ جھکتے ہوئے اس کی بڑھ گئے پھر اس کی اوٹ لیتے ہی دونوں ایک طرف بھاگ اُٹھے۔ وہ بڑی تیزی سے بھاگ رہے تھے جیسے موت ان کے تعاقب میں رہی ہو اور اس میں مبالغہ بھی کیا تھا۔ سنسناتی گولیوں کو موت نہیں تو کیا پور کے لڈو کہتے ہیں۔

... پھر انھیں ایک غار کا دہانہ دکھائی دیا۔

انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس غار میں گھستے چلے گئے۔ بظاہر تو وہ غار تھا لیکن اندر پہنچنے کے بعد انھیں محسوس ہوا کہ وہ ایک سُرنگ میں بھاگ رہے ہیں۔

سُرنگ کافی طویل اور تاریک تھی۔
صفدر نے شولڈر بیگ سے طاقتور روشنی والی ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔ روشنی میں وہ سُرنگ کے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے۔ دوسرا دہانہ دکھائی دیتے ہی انھیں فائرنگ کی آوازیں دوبارہ سنائی دینے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی کچھ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی۔ یہ ان لوگوں کے قدموں کی چاپ تھی جو سُرنگ کی چھت پر دوڑ رہے تھے۔ صفدر اور تنویر سُرنگ میں ہی دبک گئے۔
اس بھاگ دوڑ میں خاصا وقت صرف ہو گیا۔ سورج غروب ہو گیا لیکن کمی ماہتاب نے پوری کر دی۔ چاندنی اپنے جوبن پر تھی۔
"میرا خیال ہے ہمیں اس سُرنگ ہی میں قیام کرنا چاہیے۔" صفدر نے خیال ظاہر کیا۔
"تاکہ وہ دونوں طرف سے فائرنگ کر کے ہمارا قصہ ہی پاک کر دیں۔" تنویر غرایا۔ "ہم نے سُرنگ میں گھس کر بڑی غلطی کی ہے صفدر۔ ہماری موت یقینی ہے۔"
"خاموش رہو۔ حوصلہ مت ہارو۔ میرا خیال ہے میں نے کافی دیر سے فائرنگ کی آواز نہیں سُنی۔" وہ غور سے سُننے لگا۔ مگر باہر سے کوئی آواز نہیں آئی۔
وہ دو گھنٹے تک سُرنگ میں ہی دبکے رہے۔
"کیا خیال ہے لگا لیا جائے بستر؟" تنویر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔
"اور کیا کیا جا سکتا ہے۔" صفدر نے ریوالور ہولسٹر میں ڈالتے ہوئے بیگ سے دری نکال لی... پھر اس نے پٹرومکس روشن کر لیا اور خشک خوراک سے پیٹ بھرنے لگے۔ پانی کی بوتل سے پانی کے چند گھونٹ پی کر تنویر زمین پر ہی دراز ہو گیا۔
"چلو شب بسری کے لیے تو انتظام ہو گیا، صبح دیکھا جائے گا۔"
"ہاں۔" صفدر نے مسکرا کر کہا۔ "میرا خیال ہے رات کی وجہ سے ہی انھوں نے فائرنگ بند کر دی ہے۔ ممکن ہے خاموشی سے وہ ہمیں تلاش کر رہے ہوں۔"
"نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ سُرنگ میں ضرور گھستے۔ مجھے یقین ہے وہ اپنے ساتھی کو چھڑانا چاہتے تھے سو وہ اسے لے کر چلے گئے ہوں گے۔" تنویر نے صفدر... سے اختلاف کرتے ہوئے خیال آرائی کی۔

شادی کی پہلی سالگرہ پر بیوی نے شوہر کو بتایا کہ وہ صبح ڈاکٹر سے ملاقات کر کے آئی ہے۔ "کیوں، کہیں تمھیں ایشیائی فلو تو نہیں ہو گیا؟" شوہر نے پوچھا۔
"نہیں، مجھے دراصل مصری انفلوئنزا ہوا ہے۔"
"یعنی؟"
"یعنی یہ کہ میں ممی بننے والی ہوں۔"

دفعتاً انھیں سُرنگ کے دہانے پر ایک متحرک روشن ہیولا دکھائی دیا۔ تنویر نے چونک کر ادھر دیکھا اور اس کو اپنا سانس رُکتا محسوس ہوا۔ دہانے پر ایک انسانی شبیہہ تھی لیکن روشن اور کسی حد تک واضح! یوں محسوس ہوتا تھا جیسے روشنی کے اس ہالے میں مٹی کے ذرات بھی شامل ہوں۔
تنویر کو چونکتے دیکھ کر صفدر بھی اس طرف متوجہ ہوا۔ اس نے چند لمحے تو حیرت سے اس ہیولے کی طرف دیکھا جو بظاہر تو زمین پر چل رہا تھا، درحقیقت ہوا میں قدرے معلق ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔
یکایک تنویر اور صفدر کے ریوالوروں نے شعلے اُگلنے شروع کر دیے... دھائیں دھائیں کی آوازوں سے سُرنگ گونج اٹھی۔ لیکن گولیاں اس ہیولے سے ٹکرا کر رہ گئیں اور اس کی پیش قدمی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔
"بھ... بھوت۔" تنویر چیخ کر مزید تیزی سے فائر کرنے لگا۔ اچانک ایک گرج دار قہقہہ سنائی دیا۔ دونوں نے فائرنگ بند کر دی۔ انھیں ہیولے کے عقب میں ایک سایہ سا دکھائی دیا تھا۔ وہ سایہ، ہیولے سے اُٹھتا دکھائی دیا پھر دھماکے سے سُرنگ گونج اٹھی... روشن ہیولا تباہ ہو گیا تھا۔ اب وہاں صرف سایہ دکھائی دے رہا تھا۔
"کون ہو تم؟" تنویر نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔
"تمھارا بدنصیب خالو جان، علی عمران، پستے والا پٹھان۔" عمران کی شگفتہ آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی تنویر کی غراہٹ اور فائر کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دیوانہ وار عمران پر فائر کرتا جا رہا تھا اور چوا گیا "ارے باپ رے" کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔
"بس۔ فائرنگ بند کرو۔" عمران کے حلق سے ناقابلِ فراموش

غراہٹ نکلی اور تنویر کے ساتھ ساتھ صفدر بھی کانپ گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے کوئی وحشی درندہ دہاڑ رہا ہو۔

تنویر نے لبلبی دبائی لیکن ٹرچ کی طویل آواز کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس نے جھلا کر ریوالور ہی عمران پر کھینچ مارا۔

عمران نے ریوالور کیچ کر لیا اور دھیرے دھیرے بڑھتا ہوا اُن کے قریب آ گیا۔ اس کی نگاہیں تنویر پر جمی ہوئی تھیں لیکن وہ کیا کسی انسان کی آنکھیں تھیں؟ ہرگز نہیں، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آدم خور چیتا اس کی طرف بڑھ رہا ہو۔ اُس کی آنکھیں خون کے لوتھڑوں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ تنویر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں کوئی چیز سنسناتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"کیا تمہیں احساس ہے کہ تم اس وقت کس قسم کے خطرے سے دوچار ہو؟" عمران نے سفاک لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم نہیں۔" تنویر نے بظاہر کندھے جھٹک کر بے پروائی کا اظہار کیا لیکن اس کے لہجے میں خوفزدگی کا تاثر نمایاں تھا۔

"ٹھیک ہے کسی مناسب وقت پر اس کی سزا کے لیے تیار رہنا۔ میں تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔" عمران کسی زخمی درندے کی طرح غرایا۔

"یہ غصے میں تھا عمران صاحب۔" صفدر نے وضاحت کر کے ماحول کو سازگار بنانے کی کوشش کی۔ "میرا خیال ہے آپ اسے معاف کر دیجیے۔"

"دیکھا جائے گا۔" عمران نے بے پروائی سے شانوں کو حرکت دی اور اس کا چہرہ معمول پر آنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کے چہرے سے وحشیانہ اثرات چھٹ گئے۔ نگاہوں سے ٹپکنے والی درندگی کم ہو گئی، جبڑے ڈھیلے پڑ گئے اور رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈیاں معدوم ہو گئیں۔

"تم لوگ سفر کرنے کے قابل ہو؟"

"ہاں، ہم خاصا آرام کر چکے ہیں۔" صفدر نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، سامان سمیٹو اور خاموشی سے میرے پیچھے آؤ۔" عمران نے تنویر کا ریوالور اس کی طرف پھینک دیا اور سخت لہجے میں بولا۔ "اسے لوڈ کر لو اور بلا ضرورت فائرنگ سے اجتناب برتو۔ ہم اس وقت ایسے مجرموں سے گھرے ہوئے ہیں جو بے پناہ سائنسی قوت کے بل بوتے پر ہمیں پل بھر میں تباہ کر سکتے ہیں۔"

نہ جانے یہ موقع کی نزاکت تھی یا تنویر یونہی خوفزدہ ہو گیا تھا، اس نے بغیر کسی تعرّض کے ریوالور اٹھایا اور اُسے لوڈ کر کے ہولسٹر میں ڈال لیا۔

صفدر نے دری تہہ کر کے بیگ میں رکھی اور دوسری اشیاء بھی سمیٹ لیں۔ بیگ کو کندھے سے لگا کر اس نے پیٹرومیکس بجھا دیا اور ٹارچ روشن کر لی۔ جس کی روشنی طاقتور تھی۔ لیکن عمران نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس محدود دائرہ عمل کی ٹارچ ہے، اس سے کام چلا لیں گے۔ زیادہ روشنی خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

دونوں خاموشی سے عمران کے تعاقب میں دہانے کی طرف چل دیے۔

سُرنگ میں ان کے قدموں کی چاپ گونجتی رہی۔ دہانے کے قریب پہنچنے سے پہلے عمران صاحب نے انھیں محتاط رہنے کی تاکید کی اور وہ سب ہی دبے پاؤں سُرنگ کے دہانے تک جا پہنچے۔ باہر چاندنی کھیت کر رہی تھی۔ عمران نے جھانک کر باہر دیکھا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔

چاندنی میں مدِنظر تک سنسان اور ویران پہاڑیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عمران کچھ اس انداز میں آگے آگے چل رہا تھا جیسے وہ انہی پہاڑیوں میں پل کر جوان ہوا ہو۔ صفدر حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا البتہ تنویر منہ لٹکائے کسی رُوٹھے ہوئے بچے کی تصویر لگ رہا تھا۔

عمران بے حد سنجیدہ تھا۔

دیر تک ان کی یہ مختصر سی پارٹی چھوٹے چھوٹے دروں اور پہاڑوں سے گزر کر راستہ طے کرتی رہی۔ کبھی تو وہ بلندی کی طرف سفر کرتے تھے اور کبھی نشیب اور ڈھلانوں میں اترتے چلے جاتے، کچھ آگے بڑھ کر راستہ مزید دشوار گزار ہو گیا۔

عمران نے ٹارچ کی روشنی کچھ اس طرح ایڈجسٹ کر رکھی تھی کہ دُور سے اُسے دیکھنا مشکل ہی تھا۔ اس وقت وہ ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے، تاریک گھاٹی کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس راستے کو اب تک کسی نے استعمال نہیں کیا۔

"ہم آبادی کے قریب پہنچ گئے ہیں، وہ رہا شہزادی کا محل۔" عمران نے ایک طرف استادہ عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

تنویر اور صفدر کی نگاہیں محل کی طرف اٹھ گئیں۔
بڑا ہی خوبصورت محل تھا۔ عمارت کا بیشتر حصہ سنگِ مرمر سے بنایا گیا تھا۔ چاندنی رات میں دودھیا رنگ کا محل بڑا ہی حسین دکھائی دے رہا تھا۔ صفدر مبہوت سا اس کے حسن میں کھویا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

کچھ آگے بڑھ کر عمران ایک چٹان سے زور آزمائی کرنے لگا۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور اس کے بعد ایک دروازہ نمودار ہوا۔ یہ کسی خود ساختہ غار کا دہانہ تھا۔ اس کے اندر گھستے ہی عمران نے صفدر سے ٹارچ لے کر روشن کرلی وہاں سیڑھیاں تھیں۔ وہ خاموشی سے سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔

اس راستے کا اختتام ایک بڑے ہی خوبصورت ہال میں ہوا، جس کے ایک گوشے میں آرام کمرہ تھا۔ عمران انہیں لیے ہوئے اس کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کھانے کی حاجت تو تھی نہیں اس لیے، تنویر اور صفدر بستروں پر گر گئے اور پھر انہیں یہ ہوش ہی نہ رہا کہ وہ کہاں ہیں۔ عمران چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر مسکراتا ہوا... دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دن بھر سفر کرتے رہنے اور رات کو ہنگامہ آرائی میں حصہ لینے کی وجہ سے صفدر اور تنویر کو آرام کرنے کا موقع بہت ہی کم ملا تھا۔ عمران انہیں آرام کمرے میں چھوڑ کر فوراً ہی کہیں چلا گیا تھا۔ اس لیے اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

ایک خلش جو صفدر کے ذہن میں کسی پھانس کی طرح تکلیف دے رہی تھی، البتہ وہ ضرور دور ہوگئی۔ عمران نے جب اس اسرار سے پردہ اٹھایا تو صفدر کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اس قدر سامنے کی بات اور وہ نہ سمجھ سکے۔ عمران کے کہنے کے مطابق جب شنکیاری لوگ ان کی زبان ہی نہیں سمجھ سکتے تھے تو جواب کیا دیتے۔

دوسری بات وہی اجازت نامے کی تھی۔

شنکیاری لوگ اجنبیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ندی کے کنارے ہونے والی فائرنگ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ عمران کے بیان کے مطابق ان لوگوں کے ایک گروہ کو یہ علم ہوا کہ دو اجنبی ان کے علاقے میں گھسے آرہے ہیں تو وہ انہیں روکنے کے لیے فائرنگ پر مجبور ہوگئے۔ ظاہر ہے وہ دونوں اجنبی صفدر اور تنویر ہی تھے۔

صبح آنکھ کھلتے ہی صفدر نے ایک نظر تنویر کی طرف دیکھا۔ وہ بیدار ہوگیا تھا۔ رات زیادہ جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور منہ تو خیر پیدائشی طور پر ہی بگڑا ہوا تھا۔ اس نے صفدر کی طرف دیکھ کر چہرے سے کوئی تاثر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

صفدر نے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈالی اور آنکھیں بند کرلیں۔

ظاہر ہے عمران انہیں اس کمرے میں محض اسی لیے لایا تھا کہ وہ آرام کرسکیں۔ ایسے میں آرام نہ کرنا محض حماقت ہی تھی۔ سو آنکھیں بند کرتے ہی اس کے ذہن پر نیند کا غبار سا پھیلتا چلا گیا اور وہ ایک بار پھر سو گیا۔

تنویر نے ایک سگریٹ سلگا لیا اور مسہری پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر وہ گہرے گہرے کش لگاتا رہا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ آرام کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں جاکر یخ بستہ پانی کے چھینٹے منہ پر مارنے سے نیند قدرے کافور ہوگئی۔ وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ خاصا آرام دہ کمرہ تھا۔ انتہائی قیمتی فرنیچر سے آراستہ کمرے کی آرائش مکین کی خوش ذوقی کی دلیل تھی چند لمحے وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔

یکایک اس کی نگاہ ایک رسی پر پڑی۔ یہ رسی کمرے کے ایک طرف لٹک رہی تھی۔ وہ اسی رسی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ باریک سی ریشمی ڈوری تھی۔ اسے اس ڈوری کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ رسی کے نچلے سرے میں ایک ہینڈل لگا ہوا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر اسے پکڑا اور ایک جھٹکے سے کھینچ لیا اگلے ہی لمحے اس پر حیرت انگیز انکشاف ہوا۔

رسی کھینچتے ہی ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ کمرے کی دیوار شق ہوگئی اور ایک دروازہ نمودار ہوا۔ اس نے چند لمحے اس دروازے کی طرف گھورا، پھر اسے محسوس ہوا کہ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی دروازہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی کھڑکی یا روشندان لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کمرے میں وہ گھٹن اور سیلن نہیں تھی جو عموماً بند جگہوں پر محسوس ہوتی ہے۔

وہ غیر ارادی طور پر اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

سامنے وہی سرنگ تھی جس سے گزر کر وہ رات کو اس عمارت میں داخل ہوئے تھے۔

تنویر سمجھ گیا کہ اس وقت وہ اسی محل میں ہیں جس کا تذکرہ رات عمران نے کیا تھا۔ اسے بار بار عمران پر تاؤ آرہا تھا۔ وہ اب تک یہی سمجھے ہوئے تھا کہ یہ سارا کھڑاگ عمران

کا پھیلایا ہوا ہے۔ اس نے ذہن سے عمران کا خیال جھٹک دیا۔ ظاہر ہے اُسے صرف ایکسٹو کے احکامات کی بجا آوری سے مطلب تھا۔ وہ شنکیاری پہنچ گیا تھا اور جب تک اُسے مزید احکامات نہیں ملتے وہ خود کو آزاد ہی تصور کر رہا تھا۔

وہ ادھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

یکایک وہ کسی چیز سے ٹکرایا اور بری طرح چونک پڑا۔ اگرچہ سُرنگ میں اندھیرا نہیں تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی دیواروں سے پھوٹ رہی تھی تاہم اس کے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ سامنے سے راستہ بند تھا، اور وہ بے دھیانی میں دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو واپسی کا بھی راستہ دکھائی نہیں دیا۔ اس وقت وہ سُرنگ کی بھول بھلیوں میں کھو گیا تھا۔ ایک طویل سانس لے کر وہ گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً اس کی نگاہ ایک آہنی کڑے پر پڑی۔ بادی النظر یہ کڑا ایوں دکھائی دے رہا تھا جیسے کسی چیز کو باندھنے کے لیے دیوار میں نصب کیا گیا ہو۔ اس نے اس کڑے پر زور آزمائی شروع کر دی۔

کڑے نے حرکت کی اور تنویر اچک کر ایک طرف ہٹ گیا ورنہ شاید وہ اس کھلنے والے دروازے کی زد میں آ جاتا۔ کڑے کی گردش کے ساتھ ہی دیوار کا ایک حصہ یک لخت گھوم گیا تھا اور تنویر عین اسی جگہ کھڑا تھا جدھر سے وہ حصہ گھوم کر کھلا تھا۔

جب واپسی کا کوئی اور راستہ نہ ملا تو وہ اسی دروازے میں گھس گیا۔

اُدھر بھی سُرنگ تھی وہ اس میں بڑھتا چلا گیا۔ کچھ آگے جا کر راستہ پھر مسدود ہو گیا۔ ایک بڑی سِل راہ میں حائل تھی۔ اس نے سِل کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ آخر ایک طاق میں لگے ہوئے ہینڈل کو گھما دیا اس طاق پر اس کی اچانک نگاہ پڑ گئی تھی۔

ہینڈل کے گھومتے ہی سِل یوں آسانی سے ہٹ گئی، جیسے بھاری چٹان کی بجائے لکڑی کی معمولی اور ہلکی سی کوئی چیز رہی ہو۔ سِل کے ہٹتے ہی اُسے سیڑھیاں دکھائی دیں وہ بلا جھجک ان سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ سیڑھیوں کا اختتام ایک کمرے میں ہوا۔ لیکن جیسے ہی اس نے سر اٹھایا اور سامنے دیکھا اس کا جسم سن ہو کر رہ گیا۔

سامنے ایک تالاب تھا۔ کمرے کی چھت سے پانی کی پھواریں گر رہی تھیں بالکل کسی شاور کی طرح لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز اور مسرور کن منظر یہ تھا کہ بہت سی عورتیں اس تالاب میں نہا رہی تھیں۔

عورتیں اس قدر خوبصورت تھیں کہ وہ مبہوت انھیں دیکھتا رہ گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ یکایک راجہ اندر کے اکھاڑے میں پہنچ گیا ہو۔ عورتیں کسی کی موجودگی سے بے نیاز مزے سے نہا رہی تھیں۔ ان کے نقرئی قہقہے مندر میں بجتی ہوئی چاندی کی گھنٹیوں کی طرح گونج رہے تھے۔

دفعتاً ایک عورت کی نگاہ تنویر پر پڑی۔ اس کے مُنہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے چیخنے سے قہقہوں کا طوفان تھم گیا اور سب عورتیں تنویر کو گھورنے لگیں۔

تنویر کو پسینہ آنے لگا۔

اس نے چاہا کہ لوٹ جائے لیکن مُڑ کر دیکھا تو راستہ غائب تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔ لیکن اس وقت تک عورتیں حوض سے نکل کر اس کے گرد گھیرا ڈال چکی تھیں۔ وہ بونقوں کی طرح ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا۔ اس نے گھبراہٹ میں کچھ کہنا چاہا لیکن ہکلا کر رہ گیا۔

عورتیں کسی انجان زبان میں اس پر برس رہی تھیں۔ اچانک ایک عورت اس کی طرف لپکی۔ وہ بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن وہ عورت ہشت پا کی طرح اس سے لپٹ گئی۔ تنویر کو جھرجھری سی آگئی اور اس وقت تو اس کے حواس ہی غائب ہو گئے، جب سبھی عورتیں اس پر پل پڑیں۔ عورتوں نے مارے گھونسوں اور لاتوں کے، اس کی طبیعت صاف کر دی۔

وہ مدافعت کرنے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن ان عورتوں نے جلد ہی اُسے چت کر دیا۔ وہ نڈھال ہو کر فرش پر گر گیا۔ عورتوں نے کچھ دیر صلاح مشورہ کیا، پھر انھوں نے تنویر کے بازو اور ٹانگیں پکڑ کر اُسے جھلانا شروع کر دیا۔

تنویر کی حالت خراب ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس بلائے بے درماں سے کس طرح جان چھڑائے۔ اچانک اس کا جھولتا ہوا جسم عورتوں کے ہاتھوں سے آزاد ہو کر فضا میں اڑنے لگا اور چند ہی لمحوں بعد وہ چھپاک سے کپڑوں سمیت تالاب میں جا گرا۔

تالاب میں گرتے ہی اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن عورتیں تالاب میں کُود کر اسے بری طرح پانی میں ڈبکیاں دینے لگیں۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ وہ

بڑی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن عورتوں نے اُسے کچھ اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ وہ کوشش کے باوجود خود کو آزاد نہ کروا سکا۔ بالآخر عورتوں کو اس کی حالت پر رحم آ گیا۔ انھوں نے تنویر کو تالاب سے نکال کر فرش پر ڈال دیا۔

تنویر اس وقت بھیگے ہوئے چوہے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ کپڑے بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گئے تھے۔ وہ تو خیر ہوئی کمرہ گرم تھا، شاور نما چھت سے نیم گرم پانی کی پھواریں گر رہی تھیں ورنہ مارے سردی کے شاید اس کی قلفی جم گئی ہوتی۔

وہ اوندھے مُنہ فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ بار بار ڈبکیاں کھانے سے پانی کی خاصی مقدار اس کے پیٹ میں چلی گئی تھی۔ اُسے سانس لینے میں دشواری تو ہو رہی تھی۔ لیکن وہ پیٹ کے بل لیٹا یہ کوشش کر رہا تھا کہ پانی اس کے پیٹ سے نکل جائے۔ بیٹھے بیٹھے وہ ایک وبال میں گرفتار ہو گیا تھا۔

اب مارے شرم و ندامت کے اس کا حُلیہ جیومیٹری کی کسی اُلجھی ہوئی شکل کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے میں اگر عمران یا صفدر کا سامنا ہو جاتا تو عمر بھر کی شرمندگی کا سامان پیدا ہو سکتا تھا۔ وہ رحم طلب نگاہوں سے ان عورتوں کی طرف دیکھنے لگا جو اس کے قریب کھڑی بُری طرح سے حلق پھاڑ رہی تھیں۔

دفعتاً اس کی پشت پر ایک ٹھوکر پڑی۔ وہ کراہ کر سیدھا ہو گیا۔

ایک عورت اس پر جھک کر کچھ کہنے لگی۔ اس کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔ لیکن اس نے جلدی سے معافی مانگنے کیلئے ہاتھ جوڑ دیے۔

اس پر ایک قہقہہ پڑا اور وہ عورت پھر نہ جانے کیا کہنے لگی۔ اجنبی زبان تھی۔ تنویر کے فرشتوں کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اس نے بے بسی سے اس عورت کی طرف دیکھا، پھر آنکھیں بند کر لیں۔ عورت کی آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

اس نے تنویر کی پسلی میں ایک اور ٹھوکر جمائی، پھر اشارے سے کچھ کہا۔ تنویر بے وقوفوں کی طرح اس کی صورت تکنے لگا... اشارے سے وہ عورت اُسے مرغا بننے کے لیے کہہ رہی تھی۔ اس نے رحم طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن جواباً اس عورت کی نگاہوں سے سرد مہری اور سختی جھلکنے لگی۔

ناچار وہ کراہتا ہُوا سیدھا ہُوا اور مُرغا بن گیا۔

عورتوں نے بُری طرح تالیاں پیٹنی شروع کر دیں تنویر کے گیلے کپڑوں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ لیکن ان کی تعداد میں یوں اضافہ ہو گیا کہ اب اُسے پسینہ بھی آنے لگا تھا۔ دفعتاً ایک عورت نے ٹانگ اُٹھائی۔ ارادہ تھا کہ ٹھوکر مار کر اُسے دوبارہ تالاب میں گرا دے کہ ایک سخت نسوانی آواز سنائی دی۔ وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

حمام میں ایک دروازہ نمودار ہوا تھا اور دروازے میں ایک نوجوان لڑکی کھڑی دکھائی دی۔ تنویر نے جیسے ہی نئی آواز سُنی وہ کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسی حسین لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"کون ہو تم؟" لڑکی نے انگریزی میں سوال کیا۔

"میں... میں ہوں" تنویر نے بوکھلا کر کہا۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ سب عورتیں ہنسنے لگیں۔ دروازے میں کھڑی ہوئی لڑکی نے انھیں ڈانٹ دیا۔ فوراً ہی سب خاموش ہو گئیں۔ لڑکی دھیرے دھیرے پُروقار انداز میں چلتی ہوئی تنویر کے قریب پہنچی۔

تنویر سمجھ گیا کہ وہ شنکیاری کی شہزادی ہے۔ وہ بڑے ہی مؤدبانہ انداز میں جھک کر کورنش بجا لایا۔ اب اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں کسی ایسے مجرم کی طرح جو اپنی حرکات پر شرمندہ ہو اور سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو۔

شہزادی ایک ایسی لڑکی تھی، جو شاذ و نادر ہی مسکراتی تھی۔ اس کے چہرے پر سختی اور درشتی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک پُروقار شخصیت کی مالکہ تھی۔ تنویر نے محسوس کیا کہ دُنیا کی گنی چُنی حسین لڑکیوں میں سے ایک ہے۔

"کیا تم بتا سکتے ہو اجنبی کہ تم کون ہو اور تمھیں اس شاہی حمام میں گھسنے کی جرأت کیوں کر ہوئی؟" شہزادی نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

تنویر نے ہکلا ہکلا کر مکمل رُوداد سُنا دی۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور شہزادی کی اجازت پا کر ایک شخص اندر آیا۔ اگرچہ وہ میک اپ میں تھا۔ تاہم تنویر نے پہچان لیا کہ وہ حاتم علی ہے۔ اس نے جھک کر آداب کیا اور شہزادی کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما دیا۔

لفافہ لے کر شہزادی نے کچھ پڑھا اور تنویر کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اس کی آنکھوں میں سختی کے آثار کم ہو گئے۔ اس نے

حاتم علی سے شنکیاری میں کچھ کہا اور جواباً حاتم نے بھی کچھ کہا۔ تنویر حیرت سے حاتم کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ حاتم شنکیاری زبان سے بھی واقف ہے۔ کچھ دیر بعد وہ تنویر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکل گئی۔ تنویر نے اپنے گرد کھڑی ہوئی عورتوں پر ایک نظر ڈالی۔ وہ سبھی اس کی طرف دیکھ کر تضحیک آمیز انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

تنویر تھکے تھکے قدم اُٹھاتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے سے نکلتے ہی دروازہ از خود بند ہو گیا اور وہ حاتم کی طرف دیکھنے لگا، جو اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ "کیوں پیارے، یہ راجہ اندر بنے یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"معلوم نہیں یار، کس جنجال میں پھنس گیا ہوں۔ لیکن تم شنکیاری زبان کس طرح جانتے ہو؟"

"یہاں سے پچاس میل دور شمال کی جانب میرے والد نواب ہاشم رضا بھی ایک آزاد ریاست کے نواب ہیں۔ میں یہاں کی علاقائی زبانوں میں سے بیشتر روانی سے بول اور سمجھ سکتا ہوں۔ آؤ تمھیں کمرے میں پہنچا دوں۔ ذرا محتاط رہو۔ اِدھر اُدھر بلا وجہ گھومنے سے اجتناب کرو۔"

تنویر خاموشی سے حاتم کے پیچھے چل دیا۔



صفدر نے کروٹ بدلی، اور انگڑائی لے کر اُٹھ گیا۔ اس نے تنویر کی مسہری کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔ تنویر کی مسہری خالی پڑی تھی۔ اس نے پہلے تو اُٹھ کر باتھ روم وغیرہ چیک کیے لیکن جب تنویر دکھائی نہ دیا تو پریشان ہو گیا۔ عمران تو غائب تھا ہی، تنویر بھی کہیں رفو چکر ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

دفعتاً ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا، اور اس کی نگاہ تنویر پر پڑی۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور ان سے پانی ٹپک رہا تھا۔ چہرے پر خفت کے آثار تھے اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

صفدر نے چند لمحے تو حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر اس شخص کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اُسے لے کر آیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے حاتم علی کو پہچان لیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"سنبھالو اپنے صاحبزادے کو۔" حاتم نے ہنس کر کہا۔ "یہ غالباً خواب میں چلنے کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں کیسے عورتوں کے حمام میں جا گھسا تھا۔"

صفدر نے حیرت سے وہ جملہ سُنا پھر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ حاتم نے مزید گفتگو نہیں کی اور وہاں سے چلا گیا۔

تنویر نے کپڑے بدلے اور سگریٹ سُلگا کر بیٹھ گیا۔

"کیا معاملہ تھا تنویر؟" صفدر نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں یار، نہ جانے کس گورکھ دھندے میں آ پھنسے ہیں۔ میں راستہ بھول گیا تھا۔" تنویر نے مُنہ بنا کر کہا اور سگریٹ کے کش لگانے لگا۔

"لیکن تمھارے تو کپڑے بھیگے ہوئے تھے!"

"ہاں۔ میں تالاب میں گر گیا تھا۔" تنویر نے جواب دیا۔

"بکواس کرتا ہے۔" دفعتاً عمران کی گرج دار آواز سنائی دی۔ "اس میں راجہ اندر کی رُوح حلول کر گئی تھی۔ محلّے کی چند عورتوں نے غسل دے کر رُوح کو بھگایا ہے اور تم یہ تو جانتے ہی ہو کہ ماشاءاللہ بڑا ہی سمجھدار بچہ ہے۔ مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟" تنویر غرا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تمھارے کپڑوں کے بھیگنے کی وجہ بتا رہا ہوں۔" عمران نے بے تکلفی سے بائیں آنکھ دبا دی۔

"اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ گدی سے کھینچ لوں گا۔" تنویر حلق کے بل دہاڑا۔

"شٹ اپ۔" عمران کا موڈ یکدم خراب ہو گیا۔ "یہ تم نے کیا نامعقولیت پھیلا رکھی ہے؟"

"چھوڑیے بھی عمران صاحب۔ آپ بھی کس سے اُلجھ رہے ہیں۔" صفدر بولا۔

"خاموش رہو۔ تم کیا سالے اور میاں کے درمیان بیویوں کی طرح بولنا شروع کر دیتے ہو۔" عمران صفدر پر ہی اُلٹ پڑا اور صفدر اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا۔

"سنو مسخرے۔" تنویر لال پیلا ہوتا ہوا بولا۔ "ایکسٹو نے تمھیں انچارج بنا کر نہیں بھیجا اس لیے ہم آزاد ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر کر کے دیکھنا مرضی۔" عمران کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار پیدا ہو گئی۔ "ضروری نہیں ہے کہ ایکسٹو تمھیں بچوں کی طرح ہر بار سبق رٹا کر گھر سے رخصت کیا کرے۔ کیا

تمھاری کھوپڑی کو وہ ہمالیہ ہو گئی ہے؟ میرا مطلب ہے اس پر برف باری کا سیزن تو نہیں شروع ہو گیا۔"

"میں تمھیں منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔"

"کیا... ہائیں... لگا کر تو دیکھو منہ۔" عمران یکدم اپنی حماقتوں پر اتر آیا۔ صفدر کی جان میں جان آئی ورنہ وہ عمران کی سنجیدگی کو کسی جھگڑے کا پیش خیمہ تصور کر چکا تھا۔

اچانک کمرے میں گڑگڑاہٹ ہوئی اور سب دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دروازے میں شہزادی دل بہار کھڑی تھی۔ بالکل افسانوی پریوں جیسی۔ اس نے ریشمی شلوار اور اس پر گھٹنوں سے نیچے تک جھولتی ہوئی فراک اور سر پر زرد رنگ کا رومال باندھ رکھا تھا جس کے دونوں سرے اس قدر طویل تھے کہ اس کے سینے تک جھولتے دکھائی دے رہے تھے۔ کمر پر ایک بالشت چوڑا رنگین بیلٹ تھا۔ سامنے ایک خوبصورت بروچ تھا جس میں قیمتی نگینے جڑے ہوئے تھے۔

"عمران صاحب۔ آپ نے اپنے آدمیوں کی آمد کی اطلاع مجھے کیوں نہیں دی؟" شہزادی نے پُر وقار لہجے میں سوال کیا۔

"یہ اپنا تعارف خود ہی کرانا پسند کرتے ہیں۔ اب دیکھئے نا ایک بیچارہ تو خود ہی تعارف کرانے پہنچ گیا تھا۔" عمران نے تنویر کی طرف اشارہ کیا، جو قہر آلود نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے شہزادی دل بہار کے سامنے اس قسم کی بے تکلفی کھل گئی تھی۔ لیکن اب وہ غصے میں آ کر مزید کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے اس کے متعلق کوئی بُرا تاثر قائم کیا جاتا۔ اُدھر عمران بڑے زور و شور سے صفدر کا تعارف کرا رہا تھا۔

دل بہار کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔ صفدر کو اس کی مسکراہٹ اتنی پیاری لگی کہ وہ بے اختیار اس کے جلووں میں کھو گیا۔

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ کل رات کچھ فائرنگ وغیرہ ہوئی ہے اور شراروں کا وہ انسان بھی دکھائی دیا تھا جس نے ہمارا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ لیکن وہ تباہ ہو گیا۔ کیا یہ حقیقت ہے عمران؟"

"جی ہاں، اس نے مجھ شیطان سے ٹکرانے کی کوشش کی تھی۔" عمران نے لوکھلا کر جواب دیا۔

"بہت ہی شریر ہو۔" دل بہار مسکرا دی۔ وہی خوبصورت مسکراہٹ ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر رقصاں ہو گئی جس سے اس کی شخصیت میں نکھار آ جاتا تھا اور اس کے حسن میں چار چاند لگ جاتے تھے۔

"میرا خیال ہے آپ ایک بار تفصیل سے مجھے حالات سے آگاہ کر دیں۔" عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں..."

"جی؟" عمران نے حیرت سے دیدے پھاڑے۔

"میرا مطلب ہے میں بھوتوں پر یقین نہیں رکھتی۔" شہزادی نے اس کے مزاح کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کئی ماہ پہلے ایک رات میں اپنی خوابگاہ میں سو رہی تھی کہ اچانک کسی کھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ خواب گاہ میں کوئی موجود ہے۔ لیکن خاصی تلاش کے بعد بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔ میں نے ان آوازوں کو محض واہمہ خیال کیا اور ابھی میں روشنی بجھانے ہی جا رہی تھی کہ یوں محسوس ہونے لگا جیسے کمرے میں طوفان آ گیا ہو۔ میں تنہا تھی اس لیے پریشان ہو گئی۔ میری پریشانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میری خوابگاہ کچھ اس طرح سے بنی ہوئی ہے کہ ہوا کا ایک جھونکا بھی میری مرضی کے خلاف اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کمرہ ساؤنڈ پروف تھا اس لیے باہر کسی طوفان کی موجودگی میں بھی وہاں آواز نہیں پہنچنا چاہیے تھی۔ ایئر کنڈیشننگ ٹھیک ٹھاک تھی۔ یعنی ان آوازوں کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آیا۔ دفعتاً ایک قہقہہ سنائی دیا... مردانہ قہقہہ لیکن قہقہہ لگانے والا دکھائی نہیں دیا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے بیڈ روم کے فرش سے خاک کا ایک فوارہ سا اُمڈ پڑا۔ دھول فرش کے مرکز سے بلند ہو رہی تھی۔ اس کے بعد اس دھول نے ایک مردانہ پیکر اختیار کر لیا۔ میں خوف زدہ ہو کر دیوار سے جا لگی لیکن اس خاک کے انسان نے مجھ سے کہا کہ اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں آیا۔ میں نے پوچھا کہ پھر وہ کس لیے آیا ہے۔ اس نے جواب دیا، میں اپنے آقا کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔"

"کیا پیغام ہے؟" میں نے ذرا جرأت سے کام لے کر سخت لہجے میں کہا۔

"اگر تم اس کی مرضی کے خلاف ضد پر اتر آئیں تو وہ زبردستی اس ریاست پر قبضہ کر لے گا۔ پھر تمھارے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو مفتوح بادشاہوں کے ساتھ ہوتا ہے، ممکن ہے تمھیں قتل

کر دیا جائے۔ وہ لامحدود طاقت کا سرچشمہ ہے تم اپنی طاقت سے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اس لیے فوراً اپنے ذہن سے حکم عدولی کا خیال جھٹک کر اطاعت قبول کرنے کی ہامی بھر لو۔

”میں نے ابھی جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ مجھے دھمکیاں دیتا ہوا یکایک غائب ہو گیا۔ غائب ہونے کا منظر بھی حیرت انگیز تھا۔ کمرے کی چھت میں ایک ننھا سا سوراخ تھا ذرات کی ایک باریک لکیر کی شکل میں وہ اسی سوراخ کے ذریعے میری آنکھوں کے سامنے نکل گیا اور میں کمرے میں تنہا رہ گئی۔“

”کیا اس نے اپنے آقا کے بارے میں کچھ بتایا تھا؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں، جو میں نے بتایا ہے وہ اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہیں بولا۔“ شہزادی نے جواب دیا۔

”کیا آپ نے اس کمرے میں کسی اسپیکر کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی؟“

”اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ دیواروں کی ساخت ایسی ہے کہ یہ نظریہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ اس کے باوجود میں نے اچھی طرح تسلی کرلی تھی۔“

”آس پاس کی ریاستوں سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟“

”انتہائی خوشگوار۔ ڈیڈی بڑے ہی ملنسار انسان تھے۔ ان کا کوئی دشمن نہیں تھا۔“

”کوئی اور دشمن جو ریاست ہتھیانا چاہتا ہو؟“

”صرف بھائی جان! لیکن وہ اس وقت امریکہ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ میرا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں ہے۔“

”ریاست کے لوگوں میں کوئی اس بات کا خواہشمند ہے کہ اسے ریاست کی حکمرانی مل جائے؟“

”کہہ نہیں سکتی۔ بظاہر تو سبھی وفادار ہیں۔“

”اس حادثے کے بعد کیا ہوا؟“ عمران نے سوال کیا۔

”خاک کے ان بھوتوں نے شنکیاریوں کو ورغلانا شروع کر رکھا ہے۔ سب لوگ ان سے خوفزدہ ہیں۔ اس وقت میری اطلاع کے مطابق دو گروہ پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک گروہ ان بھوتوں کی حمایت کر رہا ہے اور دوسرا مخالفت لیکن مخالفوں کی تعداد بہت کم ہے، البتہ زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ ریاست کے سب سے بڑے بزرگ حاجی بابا ان بھوتوں کی حمایت کر رہے ہیں۔ وہ انھیں آسمانی مخلوق خیال کرتے ہیں۔“

”کیا کبھی کسی نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی کہ یہ خاکی بھوت کہاں سے آتے ہیں؟“

”ایک شخص نے مجھے اطلاع دی تھی کہ شمالی برف پوش پہاڑوں سے اس نے ان ذرات کا طوفان ایک بار ریاست کی طرف آتا دیکھا تھا۔“

”بڑی ہی پُراسرار صورتِ حال ہے۔“ صفدر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”جی ہاں، لیکن میں حاجی بابا کے خیالات سے بہت پریشان ہوں اگر انھوں نے انھیں آسمانی مخلوق قرار دینے کا پرچار جاری رکھا تو ریاست کے ہمدرد بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔“

دفعتاً کمرے میں ایک دھماکا ہوا اور ننھے ننھے روشن ذروں کا فوارہ سا اُبل پڑا۔ عمران نے ارے باپ رے کا نعرہ لگایا اور اتنی پھرتی سے سر کے بل کھڑا ہو گیا کہ کمرے میں موجود دیگر تینوں ہستیاں بھوت کو چھوڑ عمران کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔

فرش میں کوئی سوراخ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے باوجود نہ جانے کہاں سے وہ ذرات تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ شہزادی خوفزدہ ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ صفدر اور تنویر تو یوں کھڑے تھے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

”بیوقوف انسانو! تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“ ذرات کے ہیولے نے کڑک کر کہا۔

”کیوں... کک... کیا تم زیادہ عقلمند ہو؟“ عمران چونک کر سیدھا ہوتا ہوا بولا۔

”تم... تم لوگ سرکاری جاسوس ہو۔ تمھیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔“

”مم... میں... ملازمت کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔“ عمران کپکپاتا ہوا بولا۔ ”اگر تمھارے ہاں برتن مانجھنے کے لیے کسی آدمی کی ضرورت ہو تو مجھے بھی لے چلو۔“

”خاموش رہو۔“ ذرات کا بھوت غرایا۔

”تم خود خاموش رہو۔“ عمران بڑبڑاتا ہوا بولا۔ ”اگر میں

نے پھونک ماردی تو...“
”میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر تم لوگ خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ اور شہزادی کو چاہیے کہ وہ ہماری اطاعت قبول کرلے۔“
”تت... تم... تم کون ہو بڑے بھائی۔“ عمران نے پھر کانپنا شروع کردیا۔
”میں طوفان کے بیٹے کا ادنیٰ غلام ہوں۔“
”طت... طو... طوفان کا بیٹا۔“ عمران نے حیرت سے دُہرایا اور کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ”میرا خیال ہے اے گرد باد کی اولاد اب تم رخصت ہو جاؤ اور اپنے طوفان کے بیٹے سے کہہ دو کہ میں یعنی منگا الیکٹرک سٹی کا فرزند اب یہاں آگیا ہوں۔“
”تم شاید چند سائنسی شعبدوں کے بل بوتے پر دعویٰ کر رہے ہو۔“
”کس کے بوتے؟“ عمران نے چونک کر کہا۔ ”اے بھائی میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی اگر تمہارے ہاں کوئی ذرات کی دُلہن ہو تو میری خانہ آبادی کرا دو۔ میں خود ہی اُسے جھاڑ پونچھ کر صاف کرلوں گا۔ تم نہاتے کتنے عرصے بعد ہو؟“
”شٹ اپ۔“ ذرات کا بھوت غرایا۔
”ہائیں یعنی بھوت انگریزی بھی بول لیتے ہیں۔ طوفان کا بیٹا کہاں رہتا ہے ار... ر... ہپ... اگر اس کے پاس رہنے کی جگہ ہوتی تو وہ محل پر قبضہ ہی کیوں کرنا چاہتا۔“
”بس میں آخری بار تنبیہہ کرنے آیا ہوں۔“
”آتے جاتے رہنا یار۔ تمہارا ہی گھر ہے۔“ عمران نے خلوصِ دل سے دعوت دی۔
”تو کیا تم لوگ حکم عدولی کرنے کا ارادہ برقرار رکھو گے؟“
”ہاں۔“ یکایک عمران کا لہجہ خوفناک ہوگیا۔ ”تم لوگ ہمیں کمزور نہ سمجھنا۔ طوفان کا بیٹا ہو آندھی یا طوفان کا باپ... اگر کسی نے شنکیاری کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت کی تو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ کہو کیسے ڈائیلاگ بول سکتا ہوں... بھوتے کچھ خوفزدہ ہوا یا نہیں؟“
اچانک ذرات کا وہ بھوت ایک جھری سے سمٹ کر نکلا اور غائب ہوگیا۔
”بھگا دیا نا۔ بس اب میں فوراً پنجابی فلمیں دیکھنا ترک کر کے خود اُن میں کام کرنے لگوں گا۔“ عمران بچوں کی طرح تالیاں پیٹنے لگا اور سب حیرت سے اُسے گھورنے لگے۔

انداز ایسا تھا کہ جیسے انھیں عمران کی دماغی صحت پر شبہ ہو۔

٭

صفدر اور حاتم علی کو دل بہار کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد عمران ہال میں ایک کرسی ڈال کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ چیونگم کا پیس مُنہ میں ڈالے غور و فکر میں مصروف تھا۔
تنویر کل والے حادثے کے بعد باہر نہیں نکلا تھا۔ اُسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ صفدر اور حاتم کو کہیں بھیج دیا گیا ہے اور نہ ہی اُسے یہ علم تھا کہ حضرتِ عمران بیڈ روم سے ملحقہ ہال نما کمرے میں بڑا جان چیونگم چبا رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُسے اب کسی بات سے دلچسپی ہی نہیں تھی تو بھی غلط ہوگا کیونکہ اس کے ذہن میں طوفان سا بپا تھا۔ وہ ذرات کے بھوتوں کے بارے میں سوچ سوچ کر دیوانہ ہو رہا تھا اور سب سے بڑھ کر اُسے اس بات کی فکر تھی کہ وہ شہزادی دل بہار کی نگاہوں میں کوئی مقام حاصل کرے کیونکہ حمام میں گھسنے والی حرکت سے اس کے بارے میں تاثر خراب ہو ہی چکا تھا۔
وہ دیر تک یونہی لیٹا الٹے سیدھے خیالات میں غرق رہا۔ اس دوران اس نے بے تحاشہ سگریٹ نوشی کی تھی اور اب تو گلا یوں دکھ رہا تھا جیسے اس میں چھالے پڑ گئے ہوں۔
جب بوریت کی انتہا ہوگئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ باہر جائے گا اور گھوم پھر کر کوئی کام کرے گا، کیا کام کرے گا، اس کا اُسے اندازہ تھا اور نہ ہی اس نے اس بارے میں کچھ سوچا۔ بس کام کا بھوت سوار ہوا اور وہ کپڑے بدلنے لگا۔
پے در پے متحیر کن واقعات نے اس کے دماغ کو متاثر کر دیا تھا لیکن وہ ان معاملات میں کسی آسیبی عمل کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا شاید اسی لیے اس کے حواس بھی بجا تھے ورنہ کچھ عجب نہ تھا کہ اس سے بوکھلاہٹیں سرزد ہوتی چلی جائیں۔ اس نے کپڑے بدل کر نادیدہ دروازہ کھولا اور خاموشی سے ہال میں چلا گیا۔ عمران پر نگاہ پڑتے ہی وہ بُری طرح چونک پڑا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ وہ بھی وہاں ہوگا۔
اس نے قہر آلود نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھا لیکن عمران آنکھیں بند کیے، مراقبے کی حالت میں تھا اس نے تنویر کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ وہ اس نشان کی طرف بڑھ گیا

جو درحقیقت ہال سے نکلنے کا غیر مرئی میکنزم تھا۔ عمران نے ادھ کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ تنویر پر لوریت کا حملہ ہو گیا ہے۔ "کہاں جا رہے ہو تنویر؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" تنویر پلٹ کر غرایا۔

"ماشاءاللہ۔ ارادے تو بڑے نیک ہیں۔ جاتے ہی اطلاع دینا۔ میرا مطلب ہے وہاں کے موسم کے بارے میں اور دیگر جغرافیائی حالات بھی تحریر کرنا۔"

"شٹ اپ۔" تنویر حلق کے بل دہاڑا اور غیر مرئی میکنزم کو حرکت دی۔ دروازہ نمودار ہوا تو باہر جانے کی سیڑھیاں دکھائی دیں۔ وہ ان سیڑھیوں پر چڑھتا چلا گیا زینوں کا بیرونی دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا تو چھوٹی سی صاف ستھری میدانی جگہ دکھائی دی! اچانک اس کے پیر سے کوئی چیز ٹکرائی اس نے چونک کر دیکھا مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

یہ بات تو اس کا ذہن کسی طرح بھی قبول نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے پاؤں سے کوئی نادیدہ چیز نہیں ٹکرائی تھی۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا اور ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا۔ اس وقت اس کی حالت انتہائی مضحکہ خیز ہو گئی تھی وہ بالکل کسی اندھے کی طرح بیٹھا ٹٹول رہا تھا لیکن کوئی چیز دکھائی نہیں دی اور نہ ہی اس کے ہاتھ سے ٹکرائی۔

عمران کا خیال تھا کہ تنویر زینوں سے واپس آ جائے گا۔ لیکن جب وہ پندرہ بیس منٹ تک نہ لوٹا تو اسے فکر لاحق ہوئی، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر زینوں پر چڑھنے لگا۔

اس کے چہرے پر فکر و تردد کی علامات واضح ہو گئی تھیں اور آنکھوں سے حیرت جھلکنے لگی کیونکہ سیڑھیوں کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ عمران کو اس تکنیک کا علم تھا۔ اگر تنویر غار سے ایک گز کے فاصلے پر پہنچ گیا ہوتا تو دروازہ از خود بند ہو جاتا۔ دروازہ کھلا ہونے کا مطلب تھا کہ وہ سیڑھیوں کے قریب ہی کسی جگہ موجود ہے لیکن وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟ وہ پہاڑی پر نکل گیا۔

باہر نکلتے ہی اس کی نگاہ تنویر پر پڑی جو زمین پر نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

"ہائیں۔ کیا جھاڑ دے رہے ہو پیارے؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

تنویر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی تلاش جاری رکھی۔ وہ چاروں طرف ہاتھ پھیرتا رہا۔ دفعتاً اس کے ہاتھ سے وہی نادیدہ چیز ٹکرائی جو اس کی ٹھوکر سے لڑھک کر وہاں پہنچ گئی تھی۔ تنویر نے اسے پکڑ لیا پھر حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے ہاتھ میں کوئی بیضوی پتھر ہو۔ اگر وہ کوئی ٹھوس چیز تھی تو اسے دکھائی کیوں نہیں دیتی تھی۔ وہ اس کو اٹھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دفعتاً اسے اپنے کندھے پر عمران کا ہاتھ محسوس ہوا۔

"سنو تنویر۔ یہاں کی آب و ہوا صحت اور دماغ کے لیے بڑی شاندار ہے اس لیے یہاں کے نواب نے کوئی پاگل خانہ تعمیر نہیں کروایا۔ اگر تمہارے دماغ پر کوئی اثر ہو گیا ہے تو کیا واپس بھیج دوں۔ میرا خیال ہے تم اپنے چوہے ایکسٹو کی جدائی میں دیوانے ہو رہے ہو۔"

"بکواس مت کرو۔" تنویر نے معنی خیز لہجے میں کہا اور پھر مٹھی بند کر کے عمران کے سامنے کر دی۔ "بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے؟"

"ہاتھی۔" عمران نے بے ساختہ کہا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ خیر لو میں مٹھی کھول لیتا ہوں۔ اب بتاؤ میری ہتھیلی پر کیا ہے؟"

"سرسوں۔" عمران نے کھوپڑی کا عقبی حصہ کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں پھر کہتا ہوں کہ یہ مذاق نہیں۔ میری ہتھیلی پر واقعی کوئی چیز ہے۔"

"اپنی کھوپڑی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟" تنویر نے آنکھیں نکالیں۔

"یہی کہ اس میں بھی کچھ ہے یا ہتھیلی والا ہی معاملہ ہے۔"

"تو تمہیں یقین نہیں آتا۔ میں تمہارے ہاتھ میں دیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر تنویر نے وہ بیضوی شے عمران کے ہاتھ میں تھما دی۔ عمران کی کھوپڑی گھوم گئی اب تک وہ محض اسے مذاق ہی سمجھ رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ پر واقعی کوئی چیز رکھی ہوئی تھی۔

"دھت تیری کی۔" عمران نے پاؤں پٹخا۔ "اتنے عرصے بعد انڈا دیا وہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔"

"یہ میرے پاؤں سے ٹکرا گیا تھا۔" تنویر نے بتایا۔

"ٹھوکر شدید تھی یا نہیں؟"

"بس یونہی سی تھی، لاؤ ادھر لاؤ۔" تنویر نے نادیدہ انڈا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"میرے پاس ہی رہنے دو بھائی۔ دارالحکومت لے جا کر ٹکٹ لگا دوں گا۔ لوگ جوق در جوق تمہیں دیکھنے آئیں گے۔ آخر آج مرغیوں کا یہ زعم بھی ختم ہو گیا کہ صرف وہی انڈے دے سکتی ہیں۔"

"شرافت سے دے دو ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" تنویر غرّایا۔

"ہائیں یعنی میں شرافت سے کیا دیدوں... یعنی کہ انڈا... لاحول ولا کیوں شرافت کو بدنام کر رہے ہو۔ سُن لیا تو بہت مارے گا۔ سُنا ہے قوالی کرتے کرتے اس کے ہاتھ بہت مضبوط ہو گئے ہیں۔"

"دیتے ہو یا نہیں۔" تنویر نے دہاڑ کر دست درازی شروع کر دی۔ کھینچا تانی میں غیر مرئی انڈا عمران کے ہاتھ سے زمین پر گر گیا اور ایک زوردار دھماکا ہوا۔ اس کے بعد چنگاریاں سی اڑنے لگیں۔

"ارے باپ رے۔" عمران نعرہ لگا کر تنویر سے لپٹ گیا۔

"ہٹو... ارے... ہٹو... کیا ہوا؟" تنویر لڑکھڑا کر اسے اٹھائے اٹھائے ناچنے لگا۔

اس نے عمران کو پٹخنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ عمران پیر تسمہ پا کی طرح اس سے لپٹا ہوا تھا۔ آخر وہ بے بس ہو کر ہانپنے لگا تو عمران نے اسے چھوڑ کر کانپنا شروع کر دیا۔

"دیکھو... ممکن ہے یہاں کہیں دوسرا انڈا بھی موجود ہو۔"

"ہائیں۔ تو کتنے انڈے دیے تھے بیک وقت؟" عمران حیرت سے آنکھیں اور منہ پھاڑ کر تنویر کو گھورنے لگا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ ہی کہاں تھا۔ وہ زمین پر بیٹھا بقول عمران... دوبارہ جھاڑو دینے لگا تھا۔ عمران بھی کراہ کر بیٹھ گیا اور بڑبڑاتا ہوا ادھر ادھر ٹٹولنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ہاتھ ایک ویسا ہی انڈا لگ گیا جو کچھ دیر پہلے دھماکے سے پھٹ گیا تھا اور زمین پر گرتے ہی اس سے شرارے برآمد ہونے لگے تھے۔

عمران نے اس انڈے کو ہتھیلی پر رکھ کر حسبِ گنجائش

پھیلاتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ تنویر نے اُسے ہتھیلی کو گھورتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ عمران کو وہ نادیدہ بیضوی شے مل گئی ہے۔

"کیا مل گیا انڈا؟"

"ہاں۔ چلو، اندر چلیں اور اسے تل کر کھائیں۔"

تنویر خاموشی سے سیڑھیاں اترنے لگا پھر زینوں کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

عمران اور تنویر جب ہال میں واپس آئے تو صفدر آ چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حاتم بھی تھا۔ دونوں تھکے تھکے سے محسوس ہو رہے تھے۔

"عمران صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس چکر میں آ پھنسے ہیں؟"، صفدر نے کراہ کر کہا۔

"ملاحظہ کرو فرزند اور عبرت پکڑو۔ بتاؤ یہ کیا چیز ہے؟" عمران نے ہتھیلی پہلے تو صفدر اور پھر حاتم کے سامنے کر دی۔ حاتم منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔

"خدا کی قسم عمران صاحب۔ اس قدر بور ہو چکا ہوں کہ مذاق برداشت کرنے کی سکت نہیں رہ گئی۔ خدا کیلئے پریشان نہ کیجیے۔" صفدر کے لہجے سے بے بسی جھلک رہی تھی۔

"مذاق نہیں پیارے۔ یہ تخم تنویر ہے۔"

"کیا مطلب؟"، صفدر اور حاتم دونوں ہی اچھل پڑے۔

"تنویر کا مطلب بتاؤں یا تخم کا؟" عمران نے حیرت سے کہا اور انڈا صفدر کے ہاتھ میں دے دیا۔ صفدر حیرت سے اچھل پڑا۔ صفدر کو متحیر دیکھ کر حاتم کے چہرے پر بھی تحیر کی جھلک دکھائی دینے لگی۔

"ارے... یہ تو واقعی کوئی انڈا ہے؟"

"کوئی انڈا نہیں۔ انڈے والا سامنے کھڑا ہے۔ ہُوا یوں کہ میں اس ہال میں بیٹھا ہوا تھا۔ تنویر یہاں سے گزر کر باہر جانے لگا۔ میں نے اس لیے نہیں روکا کہ رفعِ حاجت کے لیے جا رہا ہو گا بے چارہ لیکن مجھے کیا معلوم تھا... آں... خاں... تنویر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں صفدر میں کئی بار تمھیں کہہ چکا ہوں۔" عمران نے کراہ کر کہا کیونکہ تنویر نے اس کی گدی پکڑ لی تھی۔

"میں تمھاری گردن توڑ دوں گا۔" تنویر حلق کے بل چیخا۔

"اب جو جی میں آئے کہہ لو۔" عمران کراہا۔ "تم سے یہی توقع ہے۔"

تنویر نے اُسے دھکا دیا اور پاؤں پٹختا ہُوا دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"بہت تنگ کرتے ہیں آپ اس بے چارے کو۔" صفدر نے مسکرا کر کہا۔

"اسی پریشانی کی وجہ سے تو انڈے دینے لگا ہے۔" عمران نے گرہ لگائی۔

"بس اب جانے بھی دیجیے، عمران صاحب اور اس حیرت انگیز نادیدہ انڈے کے بارے میں کچھ بتائیے۔ مارے حیرت کے میرا تو دماغ خراب ہونے لگا ہے۔" صفدر نے ضد کی۔

"یہ افراسیاب کی چوتھی بیوی کے نانا کے خالو کی مرغی کے چوزے کا انڈا ہے ذرا اسے فرش پر تو پھینک کر دیکھو۔ تمھیں اس کی مضبوطی کا اندازہ ہو جائے گا۔"

"ارے! کیا واقعی۔ کیا بہت مضبوط ہے۔ لیکن پھر اُسے کہاں ڈھونڈتے پھریں گے؟... ہاتھ سے نکل گیا تو تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" حاتم نے حیرت سے کہا۔

اس اثنا میں صفدر انڈے کو فرش پر پھینک چکا تھا۔ دفعتاً ایک دھماکا ہُوا اور چنگاریاں سی اڑتی دکھائی دینے لگیں۔ حاتم اور صفدر حیرت سے اچھل پڑے اور کئی قدم دور جا کھڑے ہوئے۔ عمران بچّوں کی طرح تالیاں پیٹ رہا تھا۔

"یہ تو بالکل ویسا ہی دھماکا تھا جیسا کہ ذرات کے بھوت کی آمد سے پہلے ہوتا ہے۔" صفدر نے حواس باختہ ہو کر کہا۔

"بس دیکھتے رہو۔ ہمارے ساتھ رہو گے تو ایسے ہی موج کرو گے۔ اچھا خدا حافظ مجھے ابھی دل بہار کے ساتھ قلعے میں پہنچنا ہے۔ پھر ملاقات ہو گی۔" صفدر اور حاتم بھی اس کے پیچھے لپکے۔

*

صفدر ماحول سے سخت اچاٹ تھا۔

باوجود بار بار استفسار کے عمران نے ابھی تک کیس کی نوعیت نہیں بتائی تھی اس لیے وہ ذہن پر بوجھ لیے کچھ الجھن میں دکھائی دیتا تھا۔ ادھر تنویر پر اس قدر جھلاہٹ سوار ہوتی تھی کہ وہ کمرے سے باہر نکلنے پر بھی رضامند نہیں تھا اور اب تو اس نے یہی فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک کوئی ڈھنگ کی صورتِ حال سامنے نہیں آتی وہ خود کو فارغ تصور کر کے خوب بستر توڑے گا۔

عمران، حاتم اور صفدر قلعے میں داخل ہوئے۔
شنگیاری کا یہ قلعہ مہمان خانے سے کافی فاصلے پر تھا لیکن مہمان خانے سے ہی کچھ سرنگوں کے ذریعے جانے کے راستے موجود تھے۔ وہ ایک ایسے ہی راستے سے قلعے تک پہنچ گئے۔ ابھی وہ کمپاؤنڈ میں چند قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک مترنم آواز سن کر چونک پڑے۔

"آئیے آئیے... تشریف لائیے"، شہزادی دل بہار نے آگے بڑھ کر ان کی پذیرائی کی اور عمران کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس وقت ڈھنگ کے کپڑوں میں تھا۔ لیکن چہرے پر ازلی حماقتوں کے ڈونگرے بڑی باقاعدگی سے برس رہے تھے۔

حاتم مسکرانے لگا۔ اُسے وہ وقت یاد آگیا جب تنویر اسی قلعے کے ایک حمام میں جا گھسا تھا جو صرف عورتوں کیلئے مخصوص تھا۔ اگر اس وقت وہ نہ پہنچ گیا ہوتا تو کچھ عجب نہیں تھا کہ شہزادی اُسے گولی سے ہی اڑا دیتی۔ ظاہر ہے عمران نے صفدر اور تنویر کی آمد کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

دل بہار انھیں قلعے کی عمارت کی طرف لے جا رہی تھی۔

اس کے پُرتپاک برتاؤ سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عمران کی راہ میں بچھی جا رہی ہو۔ صفدر نے عمران کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھا لیکن اس گاؤدی کو شاید اس بات کا احساس تک نہیں تھا کہ وہ صنفِ لطیف کے لیے کس قدر طوفانی کشش رکھتا ہے۔ اُسے تو بس حماقتوں سے پیار تھا اور یہ حماقتیں خواہ کسی کالی کلوٹی کے ساتھ ہوں یا دل بہار جیسی فقید المثال حسین شہزادی سے (معاف کیجیے گا یہاں حماقت سے مراد وہ حماقت نہیں جسے عرفِ عام میں محبت کہتے ہیں)

"یہ قلعہ صناعی کا ایک نایاب نمونہ ہے"، حاتم نے خیال آرائی کی۔

"کیا جھوٹ بولتے ہو"، عمران چونک کر بولا "تم نے شاید اس گنہگار کی حویلی نہیں دیکھی"۔

"آپ کی حویلی بھی ہے؟" دل بہار حیرت سے بولی۔ "حال ہی میں بنوائی ہوگی؟"

"جی نہیں! ہال کی بجائے ڈرائنگ روم میں بنوائی ہے"۔ عمران فخریہ لہجے میں بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی"، دل بہار کے لہجے میں اس وقت بھی تحیر کی جھلک تھی۔

"مطلب یہ کہ میرے ڈرائنگ روم میں ایک حویلی موجود ہے"۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" شہزادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل ممکن ہے" عمران ران پر ہاتھ مار کر بولا "میں چاہوں تو اپنے ڈرائنگ روم میں ملکہ برطانیہ کا محل بھی بنوا سکتا ہوں"۔

صفدر نے منہ بنا لیا۔ اُسے عمران کی یہ عادت بڑی طرح کھل رہی تھی کہ شاہی آداب کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے وہ شہزادی سے بھی عام عورتوں جیسا سلوک کر رہا تھا۔

"پہلے اس حویلی کے بارے میں بتا دیں۔ محل کا تذکرہ بعد میں"، شہزادی نے مسکرا کر کہا اور صفدر کی کھوپڑی بھک سے اُڑ گئی۔ دل بہار، عمران کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کے چہرے سے بدمزگی کے تاثرات چھٹ گئے۔

"اس حویلی میں چار کمرے ہیں اور اس کی پچاس منزلیں ہیں۔ ہر منزل میں چھ چھ محراب دار کھڑکیاں ہیں اور ہر کھڑکی میں ایک ایک اُلو بیٹھا ہے"۔

"تو وہ اُلو ہر وقت وہیں بیٹھے رہتے ہیں؟"

"بیٹھے رہتے ہیں"، عمران حیرت سے بولا "اجی صاحب وہ تو پچھلے دس سال سے بیٹھے ہوئے ہیں"۔

"کوئی آسیبی خلل ہے اس حویلی میں؟"

"جی نہیں۔ دماغی"، حاتم نے لقمہ دیا۔

صفدر کے ساتھ ساتھ شہزادی بھی ہنسنے لگی۔ اس کی مترنم آواز نے قلعے کی فضا میں جلترنگ سا پیدا کر دیا۔ بمشکل ہنسی پر قابو پا کر اس نے دریافت کیا۔

"ہاں تو عمران صاحب آپ کی حویلی تو رہ گئی... اور کیا کیا ہے اس میں؟"

"وہ حویلی"، عمران کا لہجہ گلوگیر ہو گیا "اس حویلی میں اُلوؤں کی حکومت ہے میں نے اس کا تمام انتظام ایک جہاندیدہ اُلو کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہی سب اُلوؤں کو کنٹرول کرتا ہے اور ان کے آداب و اخلاق کا بھی خیال رکھتا ہے بڑے ہی باضابطہ اُلو ہیں"۔

"کوئی مادہ بھی ضرور ہوگی؟"

"ہاں ایک اُلو کی پٹھی بھی موجود ہے۔ اس حویلی میں متنازعہ فیہ صرف وہی تنہا ہستی ہے آئے دن اُلوؤں کے درمیان حسد و رشک کی چپقلشیں چلتی ہیں اور جہاندیدہ اُلو تو ان کو سمجھا سمجھا کر عاجز آچکا ہے کئی بار استعفا پیش کر چکا

ہے لیکن میرے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بہت کوشش کر چکا ہوں ایک بار تو میں پورے تین گھنٹوں بعد نہایا تھا۔ لیکن مجال ہے کوئی جوں پیدا ہوئی ہو۔ میرا ارادہ ہے اب انٹارکٹیکا چلا جاؤں۔ سنا ہے سردی کے باعث وہاں نہانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"چھوڑیے بھی عمران صاحب آپ کیا تذکرہ نکال بیٹھے ہیں۔" دل بہار نے پیٹ پکڑتے ہوئے کہا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے۔" عمران گلوگیر لہجے میں بولا۔

"ارے۔ آپ تو رونے لگے۔" شہزادی چونک پڑی۔ عمران کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ "آخر اس میں رونے کی کیا بات ہے؟"

"جوں... ان جوؤں نے میری عاقبت خراب کر رکھی ہے۔" عمران آنسو پونچھتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب؟ جوئیں اور عاقبت؟" شہزادی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جی ہاں۔ ڈیڈی نے مجھے محض اس لیے گھر سے نکال رکھا ہے کہ میرے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ کئی خوبصورت بلکہ ایک گُرس کے قریب بدصورت لڑکیوں نے بھی مجھے محض اس لیے ٹھکرا دیا کہ ان کی فرمائشیں سن کر میرے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔"

"جوں رینگنا تو محاورہ ہے۔ آپ بھی کس چکر میں پڑ گئے۔"

"محاورہ ہے۔" عمران کراہا۔ "ان محاوروں نے میری زندگی تباہ کر رکھی ہے۔ مسلسل کئی سال سے مونگ کی دال کھا رہا ہوں۔"

"حیرت ہے۔ کیا ہر محاورہ آپ کے لیے سوہانِ روح ہے؟"

"کیا بتاؤں۔ میرا ملازم سلیمان بس سراپا محاورہ ہے۔ وہ مسور کی دال کی بجائے مونگ کی دال اس لیے پکاتا ہے کہ میرا منہ مسور کی دال کے قابل نہیں۔ صرف مونگ کی دال کے لائق ہے۔"

شہزادی ہنسنے لگی۔ "آپ تو بہت ہی دلچسپ آدمی ہیں عمران صاحب۔"

"سچ۔" عمران کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اس کا چہرہ مارے شرم کے سرخ ہوتا چلا گیا۔ وہ اس وقت کسی نوعمر لڑکی کی شاندار نقل کر رہا تھا۔ کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔

اس تبدیلی کو شہزادی نے نمایاں طور پر محسوس کر لیا۔ اور پھر عمران کی "سچ" کا مفہوم سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ خود دل بہار کے چہرے پر بھی حیا کی سرخی دوڑ گئی۔

صفدر نے شہزادی کے چہرے پر شفق کی سرخی محسوس کی تو اس کے دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔ نہ جانے کیا بات تھی اس کا دل شہزادی کی طرف یوں کھنچا چلا جا رہا تھا جیسے مقناطیس کے سامنے لوہے کا حقیر ذرہ۔

"میرا خیال ہے عمران صاحب۔ ہم یہاں کسی کام سے آئے تھے۔" حاتم نے دخل اندازی کی۔

"آں۔ ہاں۔ تو پھر کیا ہو گیا وہ کام؟" عمران چونک کر بولا۔

"کون سا کام؟" حاتم بوکھلا گیا۔

"وہی جس کے لیے تم آئے تھے؟"

"اوہ... باتوں میں مجھے خیال نہیں رہا۔ آپ لوگ کیا پییں گے؟" شہزادی یک دم چونک کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر خفت کے آثار تھے۔

"کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔" صفدر بولا۔

"جی ہاں۔" عمران نے جلدی سے اس کا جملہ اچک لیا۔ "یہ دونوں کھا پی کر آئے ہیں البتہ علی عمران... ایم ایس سی... پی ایچ ڈی... آکسن... جی ہاں میرا مطلب ہے میں پیاسا ہوں۔"

"تو کافی منگوالی جائے؟"

"میرا خیال ہے آپ نے باتوں میں کافی وقت ضائع کر دیا ہے۔" عمران یکایک پینترا بدل کر بولا۔ "اب کام کی بات ہونی چاہیے۔"

"آئیے پھر میں آپ کو اپنا کمرہ دکھا دوں۔" شہزادی ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

وہ ایک طویل راہداری میں پہنچ گئے اس راہداری میں بہت سے کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ شہزادی دل بہار آہستہ خرامی سے چلتی ہوئی ایک دروازے تک پہنچی اور رک گئی۔

"یہ میری خوابگاہ ہے۔"

"ماشاء اللہ بہت ہی صحت افزا ہے۔" عمران نے ناک

اُٹھا کر اِدھر اُدھر سونگھا پھر منہ بنانے لگا... اس نے صفدر اور حاتم کو اشارہ کیا کہ وہ باہر ہی انتظار کریں اور خود شہزادی کے ہمراہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

دل بہار دروازہ کھول کر اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی اور اپنی مسہری کے قریب رک کر بولی "میں اس مسہری پر سوتی ہوں۔"

"اس میں کھٹمل وغیرہ تو نہیں ہیں؟" عمران چونک کر بولا۔

"اس رات بھی میں اس مسہری پر لیٹی ہوئی تھی" شہزادی نے کہا۔ عمران کا جملہ شاید اس نے سنا نہیں تھا یا سُن کر گول کر گئی۔

شہزادی نے ایک نادیدہ دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی محل کے عقبی حصے میں درختوں کی قطاریں دکھائی دینے لگیں۔ وہ دروازے سے باہر نکل آئی۔ عمران نے بھی اس کی تقلید کی۔ عمارت اور گھنے درختوں کے درمیان میں کچھ کشادہ جگہ تھی۔ اس جگہ سے ایک روش، باغ کی طرف جاتی دکھائی دی "کیا وہ بھوت کبھی اس حصے میں بھی دکھائی دیا ہے؟" عمران نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"جی ہاں۔ ذرّات کا خاکی بھوت یہاں بھی دکھائی دیا تھا۔ وہ دیکھئے سامنے وہ درخت ہیں نا۔ بس وہیں جا کر کہیں غائب ہو گیا تھا" شہزادی نے گھنے درختوں کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عمران اور دل بہار درختوں کے جھنڈ کی طرف چل دیے۔ درختوں کی بہتات نے دن کے وقت بھی تاریکی کا سماں باندھ رکھا تھا۔ اس جھنڈ سے گزر کر محل کی دیوار تھی۔ چونکہ یہ فصیل دوسری طرف سے بے انتہا بلند تھی اس لیے محل کی جانب سے اس کی اونچائی ایک عام آدمی کے قد سے زیادہ نہیں رکھی گئی تھی۔ محل خاصی بلندی پر واقع تھا۔

دل بہار دیوار کے قریب پہنچی اور ایک پتھر پر چڑھ کر دوسری جانب دیکھنے لگی پھر وہ عمران کی طرف مڑی اور پُرخیال انداز میں بولی "اس طرف سے کسی شخص کا اترنا ممکن نہیں۔ فصیل دوسری جانب سے ہزاروں فٹ بلند ہے۔"

عمران نے دیوار کی دوسری جانب جھانکا۔ نیچے دھند سی دکھائی دی "واقعی اس راستے کو آمد و رفت کیلئے استعمال کرنا آسمان سے گر کر کھجوریں کھانے کے مترادف ہے۔"

"کھجور میں اٹکنا محاورہ ہے عمران صاحب" دل بہار نے ٹوکا۔

"جو چیز اٹک جاتی ہے... میں اُسے یاد نہیں رکھ سکتا۔ یہ محاورے بنانے والے بھی بڑے ستم ظریف ہیں۔ اب بتائیے اگر اٹکنے کی بجائے کھجوریں کھانا محاورہ بنا دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔"

شہزادی ہنسنے لگی "آپ سے جیتنا محال ہے۔"

"جی ہاں۔ میں بچپن سے کبڈی کے بڑے بڑے میدان مارتا چلا آیا ہوں۔ آپ کیا جیتیں گی مجھ سے۔ ہائیں۔ لاحول ولا" عمران رک کر کھوپڑی کا عقبی حصہ ٹٹولنے لگا۔

دل بہار نے پیٹ پکڑ لیا۔ عمران کی باتوں پر کھل کر ہنسنا اس کی عادت سی بن گئی تھی۔ نہ جانے یہ عمران کی دلجوئی کا پہلو تھا یا پھر واقعی اُسے عمران کی باتیں کچھ زیادہ ہی دلچسپ محسوس ہو رہی تھیں۔

عمران یکدم سنجیدہ ہو گیا اور قلعے کی دیواروں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر جگہ حالت یکساں تھی۔ کوئی ایسی جگہ دکھائی نہ دی جہاں سے کوئی شخص دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گیا ہو۔ پیشِ نظر صرف کمند تھی۔ یہ ایک امکان تھا جسے عمران نے نظر انداز نہیں کیا۔

اس کا خیال تھا کہ شاید کسی شخص نے کمند ڈال کر وقتی طور پر خود کو چھپا لیا ہو اور پھر کسی دوسرے راستے سے رفو چکر ہو گیا ہو لیکن پوری دیوار دیکھ ڈالنے کے بعد بھی کسی جگہ کوئی مشکوک یا غیر معمولی نشان دکھائی نہیں دیا۔

"چلیے۔ اب قلعے کے باہر جانے کا راستہ بھی دکھائیے" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" دل بہار چونک پڑی۔

"ممکن ہے کبھی ڈر کے مارے بھاگنے کی نوبت آ جائے" عمران نمایاں طور پر کانپتا ہوا بولا۔

شہزادی نے مسکرا کر کہا "میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں عمران صاحب کہ آمد و رفت کے دونوں راستے سرنگوں سے ہو کر گزرتے ہیں۔ ایک سرنگ تو آپ نے دیکھ رکھی ہے

آپ اسی سُرنگ سے قلعے میں داخل ہوئے تھے۔ دوسری میں ابھی آپ کو دکھائے دیتی ہوں۔ ان راستوں کے بارے میں آپ کا شبہ بے بنیاد ہے۔"

"جب تک بنیاد نہ ہو کوئی شبہ تعمیر نہیں ہو سکتا۔" عمران نے فلسفیانہ انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے گویا انکشاف کیا۔

دونوں ایک غلام گردش سے گزرتے ہوئے محل کے پائیں باغ میں جا پہنچے۔ جس روش پر وہ اس وقت چل رہے تھے اس کا اختتام ایک حوض پر ہوا۔ یہ حوض ایک پختہ جگہ کے درمیان بنا ہوا تھا۔ وہ حوض کے کنارے ٹھہر گئے۔

عمران نے حوض کے قریب پہنچ کر ناک اُٹھائی اور اِدھر اُدھر سونگھنے لگا۔ "مجھے تو یہاں کوئی فرار کا راستہ محسوس ہو رہا ہے۔" وہ بولا۔

"فرار کا راستہ۔" شہزادی نے بے یقینی سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے دُہرایا۔ "آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ اس حوض میں کوئی راستہ بھی ہے؟"

"دراصل کنفیوشس عرصہ تین سال سے میرا مقروض ہے میں اکثر قرض وصول کرنے کی بجائے اس سے فلسفے کا درس لیتا رہتا ہوں۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ جب کوئی حسین لڑکی ہمراہ ہو اور کہیں سے پانی دستیاب ہو سکتا ہو تو فوراً ایک چُلو بھر کر پی لینا چاہیے۔"

"چُلو بھر پانی میں ڈوب مرنے سے کیا ہوگا۔ عمران صاحب؟"

"شاید... ہاں... ارے آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ بہت بڑی بات ہے دوسروں کی ٹوہ میں رہنا۔ اب بتائیے تو... یوں لگتا ہے جیسے انگریزی میں کسی سے کہہ دیا جائے جاؤ، میری جوتی سے۔"

"آپ باتوں میں اُڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" شہزادی یکایک سنجیدہ ہو گئی۔

"اس کے باوجود کس قدر ناکام ہو رہا ہوں۔" عمران نے آہ بھر کر کہا۔ دل بہار کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"میں نے پوچھا تھا حوض پر کس طرح شبہ ہوا کہ اسے فرار کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔" شہزادی نے پُرتجسس انداز میں دریافت کیا۔ اب اس بے چاری کو کیا معلوم کہ عمران نے تو وہاں پہنچتے ہی محل کا چپہ چپہ دیکھ لیا تھا۔ یہ الگ بات کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی ہو۔

"اس حوض کا دوسرا کنارہ، یعنی پیندا، دوسرے غار کا دہانہ ہے۔"

"آخر اس انکشاف کا کوئی جواز بھی تو ہو۔" شہزادی جیسے اس کے پیچھے ہی پڑ گئی۔

"عملی مظاہرہ پسند کریں گی؟" عمران نے پوچھا۔

"ضرور۔" شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

عمران نے حوض کے کنارے لگا ہوا وہ گول سا پہیہ گھمایا جو حوض میں پانی بھرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ پہیہ کے گھومتے ہی تالاب میں ایک چھوٹا سا تختہ نمودار ہوا۔ اس تختے پر دو آدمی بہ آسانی بیٹھ سکتے تھے۔ "آئیے اب اس تختے پر سوار ہو کر اس دنیا سے کہیں دور چلے جائیں۔" عمران نے بڑے ہی رومانی لہجے میں کہا اور پھر بُری طرح خود کو کوستا ہوا اپنا مُنہ پیٹنے لگا۔

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گئی، میرا خیال ہے آپ اس حصے کو پہلے دیکھ چکے ہیں۔"

"کیوں سچ بول رہی ہیں۔" عمران گھبرا کر بولا۔

"بہر طور، یہ راستہ انتہائی نازک حالات میں فرار کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ اس کا راز ڈیڈی کے بعد میرے اور بھائی جان کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم۔"

"خوب غور کر لیجیے۔ کیا واقعی کسی کو نہیں معلوم؟"

"اب رازداروں میں ایک کا اضافہ ہو گیا ہے۔" شہزادی مسکرائی۔ "اس کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم۔ دراصل یہ خاندانی رازوں میں سے ایک ہے۔ حالات کا کیا بھروسہ کہ کس وقت کیا ہو جائے۔ اس لیے یہ راز سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے۔"

"جی ہاں۔" عمران نے سر کو شدت سے ہلاتے ہوئے تائید کی، جیسے شہزادی نے کسی معاملے میں اس سے مشورہ طلب کیا ہو۔

دل بہار نے تالاب میں ہاتھ ڈال کر ایک زنجیر پکڑ لی یہ زنجیر پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ زنجیر کو ہاتھ میں لیتے ہی اس نے پوری قوت سے جھٹکا مارا۔ ہلکی سی آواز پیدا ہوئی، پھر حیرت انگیز طور پر پانی کی سطح کم ہونے لگی۔ تقریباً تین منٹ بعد حوض کی جگہ ایک گہرا کنواں دکھائی دینے لگا۔ جس کی تہ میں سوائے تاریکی کے اور کچھ نہیں تھا۔

"سُنا ہے پانی میں خواجہ خضر رہتے ہیں۔" عمران بولا

کر بولا۔

"پھر؟"

"آپ... آپ نے تو پانی ہی غائب کر دیا یعنی آب گم۔"

"لیجیے پانی واپس آ جاتا ہے۔" شہزادی نے گول چکر کو اُلٹے رُخ گھما دیا۔ چند ہی لمحے میں پانی کی سطح بلند ہو کر دوبارہ دکھائی دینے لگی۔ لیکن اس بار لکڑی کا تختہ غائب تھا۔

"ہائیں۔ وہ تختِ طاؤس کیا ہوا؟"

"اسے پانی کے ساتھ اوپر لانے کے لیے جو میکنزم ہے وہ سُرنگ کے دوسرے دہانے پر ہے واپسی پر پانی اُسے اپنے ساتھ نہیں لاتا۔"

عمران نے چکر کو گھما کر تختہ نمودار کیا اور پھر شہزادی کو اشارہ کرتا ہوا اُس پر کود گیا۔ شہزادی بھی تختے پر آ گئی۔ اس نے زنجیر کھینچ کر اس آبی لفٹ کو چلا دیا گیا۔ پانی کی سطح تیزی سے گرنے لگی۔

تھوڑی سی دیر میں وہ نیچے پہنچ گئے۔

عمران تختے سے اتر گیا۔ شہزادی نے بھی اس کی تقلید کی اور نیچے اترتے ہی ایک خفیہ کل کو حرکت دے کر سُرنگ کا نادیدہ دروازہ کھول دیا۔ دونوں دیر تک اس راستے کو دیکھتے رہے پھر واپس آ گئے۔

عمران خلافِ معمول کچھ خاموش خاموش سا تھا۔

شہزادی نے دو ایک بار اُسے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن اس کے پُروقار چہرے پر نہ جانے کون سا تاثر تھا، وہ ہمت نہ کر پائی۔

شام ہو چکی تھی۔ وہ شہزادی کی خواب گاہ سے ہوتے ہوئے باہر آئے اور پھر ہال نما کمرے میں پہنچ گئے۔ صفدر اور حاتم بے چینی سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ دونوں کے چہرے بتا رہے تھے کہ انھوں نے انتہائی بدمزگی سے وقت گزارا ہے۔

"آخر ہمیں ساتھ کیوں لگا لائے تھے؟" صفدر نے مُنہ بنا کر کہا۔

"بس اسی قسم کے چند تجربات سے مجھے معلوم ہو جائے گا کہ انتظار کرنے میں کیا لطف ہے۔" عمران نے مسکرا کر کہا۔ "اس کے بعد شادی کر کے بنالو تو چلا جاؤں گا۔"

"ہماری طرف سے آپ جہنم میں چلے جائیں لیکن خُدا کے لیے ہمیں بور تو نہ کریں۔"

"انشا اللہ۔" عمران نے درویشانہ انداز میں انگلی اُٹھا کر کہا، صورت اس قدر مضحکہ خیز تھی کہ صفدر کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"کیوں عمران صاحب، اس بھوت کے بارے میں کیا رائے قائم کی؟" شہزادی بولی۔

"اجی کیا بتاؤں، ان بھوتوں کے سلسلے میں ایک بات مجھے بڑی پریشان کر رہی ہے آپ کے بیان کے مطابق بھوت ذرات کا بنا ہوا تھا، آخر وہ لنگوٹی کیوں نہیں پہنے ہوئے تھا؟"

"کیا مطلب؟" شہزادی چونکی۔

"یہی کہ اگر لنگوٹی پہنے ہوئے ہوتا تو بھاگتے بھاگتے اپنی لنگوٹی ہی چھوڑ جاتا اور میں لنگوٹی لے کر اپنے ایک لنگوٹیے کے پاس جا پہنچتا۔ میرا وہ دوست بڑا ہی زبردست ہے۔ وہ تین سال سے قطب شمالی کے کتّوں کو لنگوٹیاں سپلائی کر رہا ہے۔ لنگوٹی دیکھ کر فوراً سُراغ لگا لیتا اور میں بھوت صاحب کو اس کے ڈیڈی سمیت آپ کے حضور پیش کر دیتا۔"

"بس زبان ایک بار بہک جائے تو نہ جانے کہاں کہاں کی ہانکتے پھرتے ہیں۔" حاتم علی نے مُنہ بنا کر کہا۔ اسے عمران کی غیر سنجیدگی بڑی طرح کھل گئی۔

"میرا خیال ہے آپ نے سوراخ سے غائب ہوتے ہوئے جن ذرات کو دیکھا تھا وہ محض نگاہ کا دھوکا تھا۔ وہ کسی خفیہ راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوگا۔" عمران نے سنجیدگی سے خیال آرائی کی۔

"لیکن وہ راستہ کہاں ہو سکتا ہے؟" شہزادی اُلجھ گئی۔ کچھ دیر وہ غور کرتی رہی۔ پھر سر جھٹک کر بولی "میں بھوتوں وغیرہ پر یقین نہیں رکھتی، یہ کسی تخریبی ذہن والے سائنسداں کا کارنامہ ہے۔ بہر طور اب مجھے اجازت دیں۔ پھر ملاقات ہوگی۔"

عمران نے سر کے خفیف سے اشارے سے گویا اجازت دے دی۔ دل بہار دروازے سے باہر نکل گئی۔

ابھی شہزادی کو ہال نما کمرے سے نکلے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ ایک دلدوز چیخ سنائی دی۔ وہ سب بڑی طرح چونک پڑے۔ عمران کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر

گزر گیا۔ اس نے شہزادی دل بہار کی آواز صاف پہچان لی تھی۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹا۔ سامنے والا کمرہ خالی تھا۔ وہ غلام گردش میں بھاگتا چلا گیا۔ وہاں بھی تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک ایک کمرہ دیکھ لیا گیا لیکن شہزادی کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ صفدر اور حاتم نے عمارت کے بیرونی حصے کو چھان مارا لیکن شہزادی کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ یکایک فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئی ہو۔

"میرا خیال ہے کوئی بھوت شہزادی کو اٹھا کر لے گیا ہے۔" صفدر ہانپتا ہوا بولا۔

"بڑا ہی نامعقول تھا۔" عمران واضح طور پر کانپتا ہوا بولا۔ "ایک بار دکھائی دے تو ہڈیوں کا سُرمہ بنا دوں لیکن ارے باپ رے... لک... کیا کہا... بھ بھ... بھو... بھوت!" عمران شدت سے کانپنے لگا۔

شہزادی کی چیخ غالباً محل کے ہر حصے میں سنائی دی تھی۔ چند لمحوں کے بعد درجنوں عورتیں اور مرد ہال نما کمرے میں اکٹھا ہو گئے۔ ان میں ہر ایک شہزادی کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بے چین تھا لیکن عمران اور صفدر وغیرہ خود لاعلم تھے، انھیں کیا جواب دیتے۔

بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔ شنکیاری عورتوں کی غیر مانوس اور اجنبی زبان صفدر کے لیے باعثِ حیرت تھی۔ وہ منہ پھاڑے ان کی صورتیں دیکھ رہا تھا۔ جب ہنگامہ بڑھ گیا تو حاتم نے شنکیاری کی علاقائی زبان میں انھیں سمجھانا شروع کر دیا۔ انداز ایسا تھا جیسے ان پر برس رہا ہو۔ غالباً یہ اس زبان کے کرخت ہونے کی وجہ تھی کہ اچھا خاصا آدمی مرنے مارنے پر تُلا دکھائی دیتا تھا۔

عمران ادھر ادھر دیکھتا ہوا پائیں باغ میں پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں طاقتور روشنی کی ٹارچ تھی۔ اس نے بغور زمین کا ایک ایک چپہ دیکھا۔ اور پھر ایک جگہ رک کر بڑے انہماک سے زمین کا جائزہ لیا۔ زمین کے اس حصے پر درختوں کا سایہ تھا اور نہ ہی اس چھوٹی سی میدانی جگہ پر درخت تھے۔ اس جگہ عجیب وغریب نشانات دکھائی دیے۔

زمین پر ایک بڑا سا دائرہ بنا دکھائی دیا۔ اس دائرے کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی گول چیز یہاں اتری تھی یا کچھ دیر کے لیے رکھی گئی ہو۔ اس گول چیز کا وزن خاصا تھا جس کی وجہ سے نرم زمین پر واضح نشان بن گیا تھا۔

عمران کے چہرے پر غور وفکر کے آثار دکھائی دینے لگے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن یہ تاثر چند لمحوں سے زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ فوراً ہی اس کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے سے چمک اٹھیں اور چہرے پر بے پناہ سنجیدگی کے تاثرات ابھر آئے۔

"ان نشانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی وزنی چیز یہاں پڑی ہوئی تھی۔" حاتم کی آواز سنائی دی۔ عمران چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر حماقتوں کے ڈونگرے برسنے لگے۔ "میرا خیال ہے کوئی گول مٹول فرشتہ پھسکڑا مار کر یہاں بیٹھا ہوا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"کچھ لوگ فرشتوں کو ہیلی کاپٹر بھی کہتے ہیں۔"

"بے آواز ہیلی کاپٹر؟" صفدر اور حاتم بیک وقت بول اٹھے۔

"لک... کہاں؟" عمران گھبرا کر بولا اور بوکھلا بوکھلا کر ان کی صورت دیکھنے لگا۔



صفدر پر بوریت پوری طرح سوار تھی۔ انھیں شنکیاری اسٹیٹ آئے کافی دن ہو گئے تھے لیکن ابھی تک عمران نے ان سے کوئی کام لیا تھا اور نہ ہی انھیں حالات کا تفصیل سے علم ہوا تھا۔ پھر یہ شہر تو تھا نہیں کہ طبیعت بیزار ہوئی تو اٹھے اور گاڑی نکال کر کسی ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے، فلم دیکھ لی یا پھر ادھر ادھر گھوم لیا... لیکن نہیں ایک کام تو یہاں ہو سکتا تھا۔ ہاں، گھومنا پھرنا تو یہاں بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کسی اور دلچسپی کی غیر موجودگی میں اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہی فائدہ اٹھایا جائے۔

عمران نے سختی سے ہدایت کر رکھی تھی کہ اول تو عمارت سے باہر نکلا ہی نہ جائے اور اگر باہر نکلنا ناگزیر ہو تو کسی شنکیاری کا میک اپ کر لیا جائے۔

صفدر مسہری سے اٹھ کھڑا ہوا۔ دن بھر سو سو کر اس کی پیٹھ تختہ ہو گئی تھی اس نے ایک انگڑائی لی اور اپنا سامان ٹٹولنے لگا۔ میک اپ کا سامان نکال کر وہ آئینے کے سامنے بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے تو یہ الجھن پیدا ہوئی کہ میک اپ

کس کا کیا جائے اب تک وہ گنتی کے شنکیاری لوگوں سے ملا تھا اور وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے ایسے میں کسی کا چہرہ ذہن میں محفوظ رکھنا مشکل ہی تھا۔

دفعتاً اس کے ہونٹوں کے گوشے پھر پھڑا اُٹھے اس کے ذہن میں وہ شنکیاری گھوم گیا جو اُن کا خچر لے کر چمپت ہو گیا تھا۔ صفدر دل ہی دل میں مسکرایا۔ اس شخص کے حلیے کی تمام تر تفصیل اس کے ذہن میں محفوظ تھی، آخر کیوں نہ ہوتی وہ انھیں ایسی زبردست چوٹ دے گیا تھا کہ زندگی بھر اُسے بھولنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

اس شخص کا میک اپ کرنا ایک لحاظ سے سُودمند بھی تھا۔ وہ شخص شنکیاری سے کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کا میک اپ کوئی دشواری بھی پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ ایک الجھن ضرور تھی۔۔۔۔ اگر کوئی شناسا مل گیا تو مصیبت گلے پڑ جائے گی۔ صفدر نے سوچا چلو تجربہ ہی سہی۔ وہ آئینے کے سامنے بیٹھا میک اپ کرتا رہا۔

عمران اور حاتم علی صبح ہی سے غائب تھے تنویر نے دوپہر کے بعد تنگ آکر خواب آور گولیاں کھالی تھیں اور اس سے پیشتر بے پناہ اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ اگر چند روز یہی حالت برقرار رہی تو وہ زیادہ مقدار میں خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کرے گا یا پھر عمران کو جہنم رسید کر دے گا۔ وہ بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ صفدر نے بھی سونے کی کوشش کی تھی لیکن آخر کب تک۔ کوئی پانچ بجے کے قریب وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ تنویر کی طرف دیکھ کر اس نے ایک طویل سانس لی تھی۔ اگرچہ خود اس کی ذہنی حالت بھی تنویر سے مختلف نہیں تھی۔ تاہم وہ زیادہ قوت برداشت کا آدمی تھا اس لیے اس نے بیکاری سے تنگ آکر ایک مصروفیت نکال لی تھی۔

اس مصروفیت کے نتائج کیا برآمد ہوں گے، اس کا تو اسے اندازہ نہیں تھا البتہ اتنا ضرور احساس تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ایکسٹو کے عتاب سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ پوری طرح سے محتاط رہے گا۔

میک اپ کرنے کے بعد اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو بے اختیار اس کا ہاتھ پیٹ پر پہنچ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ پیٹ پکڑے بُری طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ مارے ہنسی کے اس کا بُرا حال ہو گیا۔ اس کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا جب اس شخص نے گھوڑا پار کیا اور سرپٹ بھگاتا ہوا وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔

دفعتاً تنویر کی آنکھ کھل گئی۔ خواب آور دوا کا اثر ختم ہو گیا تھا یا پھر صفدر کے قہقہے اس قدر گونج دار تھے کہ اس کی نیند اُچاٹ ہو گئی۔ اس نے گردن گھما کر صفدر کی طرف دیکھا اور چھلانگ لگا کر مسہری سے اُتر آیا۔

اس کا ہاتھ فوراً ہی تکیے کے نیچے رکھے ہوئے ریوالور کی طرف رینگ گیا تھا۔ ریوالور ہاتھ میں تھام کر وہ صفدر کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ صفدر نے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا اور ہنس پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ تنویر اُسے پہچاننے میں ناکام رہا ہے۔ تنویر پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے اُسے گھورتے ہوئے غرایا "ہاتھ اُٹھا کر ادھر دیوار سے لگ جاؤ"۔

صفدر نے آواز بدل کر ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔ قہقہے کی گونج اس قدر بلند تھی کہ تنویر بھی چونک پڑا۔

"کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟" تنویر نے پھنکارتے ہوئے دریافت کیا۔

"شون کی مالو گنٹنی۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔ او ہا نالم"! صفدر نے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکالیں۔

"کیا بکتے ہو؟" تنویر سنک گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو گیا تھا۔ ایک تو یوں ہی کھوپڑی پر برف جمی ہوئی تھی پھر صفدر کے بے ہنگم قہقہوں نے اسے بیدار کر دیا تھا۔ اس عالم جھنجلاہٹ میں اس کا جی چاہ رہا تھا کہ سامنے کھڑے ہوئے اس وحشی شنکیاری کے پُرزے اُڑا ڈالے۔

پھر صفدر نے تنویر کو بُری طرح چونکتے دیکھا۔ وہ ٹھٹک گیا۔ تنویر کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات دیکھ کر صفدر نے یہ سمجھا کہ تنویر نے اُسے پہچان لیا ہے۔ لیکن معاملے کی نوعیت سمجھ میں آئی تو اس کی ہنسی میں اضافہ ہو گیا تنویر نے اُسے پہچان لیا تھا۔ لیکن بحیثیت صفدر نہیں، بلکہ اس روپ کو پہچان لیا تھا، شاید اس کے ذہن میں بھی وہ منظر تازہ ہو گیا تھا "اوہ۔۔۔ تو یہ تم ہو۔ میں تمھاری بوٹیاں نوچ لوں گا"۔ تنویر نے ریوالور کو لہرا کر دانت پیسے۔

"شون ستون کیٹنگ۔۔۔ گی گی نالم پالم۔۔۔ جی تارا لوگ"!

"بکواس مت کرو۔۔۔ بتاؤ وہ خچر کہاں ہے؟"

صفدر نے قہقہہ لگایا۔ تنویر کی بوکھلاہٹ نے اس

کے پیٹ میں بل ڈال دیے تھے اور اب وہ اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ تنویر نے اس کی بدلی ہوئی آواز سُنی تو بری طرح چونک پڑا۔ پھر بڑے غور سے صفدر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ... تو یہ تو تم ہو، لیکن یہ کیا حرکت ہے؟" وہ مُنہ بنا کر بولا۔ اس کے چہرے پر خفت کے آثار واضح تھے جنھیں اس نے غصّے اور بیداری کے تاثرات تلے چھپانے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا... اور بولتے وقت تو لہجے میں حیرت کا تاثر اس قدر نمایاں تھا کہ خود وہ بھی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"یار تم تو بالکل ہی خبطی ہو کر رہ گئے ہو۔" صفدر بولا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ بیٹھے بٹھائے تم اس قسم کی حماقتوں پر اتر آؤ گے؟"

"عقل کے اندھے... میرے آس پاس بکھرا ہوا میک اپ کا سامان تو نظر آ رہا تھا یا نہیں؟" صفدر نے طنزیہ لہجے میں کہا اور مسکرا مسکرا کر تنویر کی طرف دیکھنے لگا۔ تنویر کی حالت اس وقت ایسی ہو رہی تھی جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ہو۔

"لیکن یہ تمھیں بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا ہے؟" تنویر نے ریوالور جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"بس بیزاری... بزرگوں نے کہا ہے بے کاری شیطانی کاموں کی طرف راغب کرتی ہے اس لیے اگر کوئی کام نہ ہو تو سِلا ہوا کپڑا ہی ادھیڑنا شروع کر دو... میں نے سوچا ذرا شنکیاری کی سیاحت ہی کی جائے۔ کیا خیال ہے چلا جائے؟"

"مجھے تو معاف رکھو... ایسے ذلیل لوگ میں نے دُنیا کے کسی خطّے میں نہیں دیکھے!"

"کیوں؟ کیوں اُن لوگوں سے تمھیں کیا شکایت ہے؟"

"جیسے تم کچھ جانتے ہی نہیں۔" تنویر نے مُنہ بنا کر ایسے انداز میں کہا کہ صفدر ہنس پڑا۔ "لیکن اس منحوس صورت شخص کا میک اپ کرنا کیا ضروری تھا؟" اس نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ کوئی مقامی چہرہ میرے ذہن میں تھا ہی نہیں۔ پھر میں نے سوچا لاؤ ایک تجربہ ہی سہی۔ چلو یار چلیں ذرا گھوم پھر آئیں۔ مقامی لوگوں سے قطع نظر، یہ علاقہ ہے قابلِ دید... مناظرِ فطرت دیکھ کر کچھ تو روح میں تازگی کی لہر پیدا ہو گی۔"

"مجھے تو معاف ہی رکھو۔ یار کہیں یہ ایکسٹو کا بچہ بھی اس قوم سے تعلق تو نہیں رکھتا؟" دفعتاً تنویر چونک کر بولا۔ اس نے یہ بات اس قدر سنجیدگی سے کہی تھی کہ صفدر فوری طور پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر چونک کر اس نے سر جھٹکا اور احمقانہ انداز میں ہنس پڑا۔ اس نے تنویر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور میک اپ کا سامان سمیٹنے لگا۔ میک اپ کا سامان سمیٹ کر اس نے اٹیچی میں رکھا اور تنویر کی طرف دیکھ کر بولا "آؤ یار... ذرا ہوا خوری ہو جائے تو کیا حرج ہے؟"

"معاف رکھو یار... میں تو سوچتا ہوں آج رات ایکسٹو سے رابطہ قائم کروں اور اس سے اجازت لے کر واپس چلا جاؤں۔"

"اوہ... کیا واقعی؟" صفدر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں... بلکہ ٹھہرو ابھی کوشش کرتا ہوں... کیا خیال ہے؟" تنویر نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے دیکھو... کیا کہتا ہے؟" صفدر نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

تنویر نے ٹرانسمیٹر نکالا اور اسے آن کر کے سیٹ کرنے لگا... چند ہی لمحوں کے بعد ٹرانسمیٹر پر ہواؤں کا شور بلند ہونے لگا۔ اور پھر ایکسٹو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ایکسٹو"

"میں تنویر بول رہا ہوں جناب" تنویر نے جلدی سے کہا اور کن انکھیوں سے صفدر کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمھیں کس نے کہا تھا کہ مجھ سے رابطہ قائم کرو؟" ایکسٹو کا لہجہ یکدم بھیانک ہو گیا۔ "بولو۔ کیا بات ہے؟"

"میں واپس دارالحکومت آنا چاہتا ہوں جناب" تنویر نے تھوک نگل کر کہا۔

"کیوں؟" ایکسٹو نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

"یہاں بیکار پڑے پڑے میں بُری طرح اکتا گیا ہوں جناب اس لیے مجھے واپسی کی اجازت دی جائے۔"

"شٹ اپ!" ایکسٹو کی آواز اس قدر خوفناک تھی کہ ٹرانسمیٹر سے دور بیٹھا ہوا صفدر بھی سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھا۔ تنویر کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس نے بوکھلا کر صفدر کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ اب کیا کہنا مناسب ہو گا؟

"کیا تم کسی کپڑے کی مل کے کلرک ہو کہ جب جی چاہا اور جہاں جی چاہا، اُٹھ کر چل دیے۔ تم مجھے احمق سمجھتے ہو؟"

"میں سمجھا نہیں جناب..." تنویر تھوک نگل کر بولا "دراصل

میں محسوس کر رہا تھا کہ میری یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"آرام سے بیٹھے رہو... اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو ایسی سزا دوں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گے" ایکسٹو نے تنبیہہ کی اور پھر غراتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا "صفدر کہاں ہے؟"

"ج... جی..." تنویر نے کن انکھیوں سے صفدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ تو نہیں ہے معلوم نہیں کہاں گیا ہے"

تنویر کو اپنی طرف متوجہ دیکھتے ہی صفدر نے اشارے سے کہہ دیا تھا کہ اس کا تذکرہ نہ کرے۔

"شٹ اپ" ایکسٹو بھیانک لہجے میں غرایا "بلاؤ اسے"

"وہ... وہ تو نہیں ہے جناب" تنویر نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"جھوٹ نہ بولو... وہ اس وقت کمرے میں موجود ہے۔ صفدر، یہاں آؤ" ایکسٹو نے ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ صفدر کو دیکھ رہا ہو۔ صفدر نے ایک طویل سانس لیا۔ اور اٹھ کر ٹرانسمیٹر کی طرف آیا۔ قریب پہنچ کر اس نے کہا۔

"یس، صفدر دس سائیڈ سر۔ دراصل بات یہ ہے جناب کہ اس وقت میں ایک شنکیاری کے میک اپ میں ہوں اور یہاں سے باہر نکلنے والا ہوں مسلسل بے کاری کی وجہ سے میری طبیعت اکتا گئی ہے۔ مجھے امید ہے آپ میری اس جسارت پر ناراض نہیں ہوں گے۔"

"شنکیاری کے میک اپ میں..." ایکسٹو نے حیرت سے دہرایا۔ پھر اس کا قہقہہ سنائی دیا "مجھے تمہاری یہ شرارت پسند آئی صفدر۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے اگر تمہارا یہ رول کامیاب رہا تو یقین مانو میں تم پر فخر کر سکوں گا۔"

"تھینک یو چیف" صفدر نے بوکھلا کر جواب دیا۔

ایکسٹو بھی بالکل اس اونٹ کی طرح ثابت ہوا تھا جس کے بارے میں کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کہ وہ کب اور کس وقت، کس کروٹ بیٹھے گا۔ بہر طور ایکسٹو نے اس کی تجویز کو سراہا تھا۔ اس وقت خود کو ہواؤں میں معلق تصور کر رہا تھا اس نے مسکرا کر تنویر کی طرف دیکھا۔ جس کا منہ کچھ اس طرح پھولا ہوا تھا جیسے کسی بھڑ نے تھوتھنی پر کاٹ لیا ہو۔

"تنویر کو سمجھا دو کہ وہ غیر ذمے دارانہ قدم اٹھانے سے گریز کرے" ایکسٹو نے یہ کہہ کر ایک اور تازیانہ لگایا۔ "اس وقت تم دونوں اور حاتم علی، عمران کے چارج میں ہو۔ اس بات کو ہر وقت ذہن میں رکھنا۔ تم لوگ کسی ذاتی کام سے وہاں نہیں بھیجے گئے ہو۔ مجھے توقع ہے کہ اس بار تم لوگوں کو گیبی پورٹر سے پالا پڑے گا" یہ کہہ کر ایکسٹو نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

صفدر اور تنویر ایک دوسرے کی جانب ایسی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جیسے ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہے ہوں یا پھر انہیں ایک دوسرے کی دماغی صحت پر شبہ رہا ہو۔

"الو کا پٹھا" تنویر دانت پیس کر بولا۔

"کون؟" صفدر چونک کر اسے گھورنے لگا "کیا ایکسٹو کے لیے کہہ رہے ہو؟"

"معلوم نہیں" وہ پاؤں پٹختا ہوا میز کی طرف بڑھ گیا۔ میز پر خواب آور گولیوں کی شیشی رکھی ہوئی تھی اس نے دو تین گولیاں نکالیں اور حلق میں ڈال کر پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔ صفدر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اسے تنویر کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس سے پیشتر تنویر اس قدر جھنجلاہٹ میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔

تنویر نے صفدر کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور مسہری کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے ایک دھماکے سے مسہری پر گر کر کروٹ بدلی۔ صفدر کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔



کسی بات پر تنویر ہنسنے لگا اور صفدر نے بھی اس کا ساتھ دیا "ہائیں... میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں" دفعتاً عمران کی چہکار سنائی دی "ہنس ہنس کر صفدر سے باتیں ہو رہی ہیں۔ اللہ تیری شان... ہائے اللہ اُف باجی... کیسے مزے کی ہے چٹنی" عمران نے چٹخارا بھرا پھر بوکھلا کر ان دونوں کی صورتیں دیکھنے لگا۔

تنویر نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"بڑے بڑے گھبرا کر اس طرف بھاگ اٹھتے ہیں، ایک تمہی پر کیا منحصر ہے" عمران نے ہانک لگائی۔

تنویر نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے باتھ روم میں جا گھسا۔

صفدر حیرت سے اس شنکیاری کی طرف دیکھ رہا تھا جو عمران کے پہلو میں کھڑا بڑا سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس نے

اُسے پہچان لیا۔" بھیا حاتم۔ تم تو اب بھوتوں سے بھی فری اسٹائل کرنے لگے ہو۔"

"اوہ! تو تم نے مجھے پہچان لیا۔" حاتم مسکراتا ہوا بولا۔

"ان کی کیا پوچھتے ہو بھیا۔" عمران نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "آج دن بھر میرا ناک میں دم کیے رکھا۔ ذرات کی بنی ہوئی لونڈیا سے نکاح کروں گا اور پھر کسی گرد باد کا والدِ محترم بن کر خطِ استوا پر چلہ کھینچنے چلا جاؤں گا۔"

"کیا مطلب؟" صفدر چونک کر عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

"کس بات کا مطلب؟" عمران نے جواباً چونک کر اس کی طرف دیکھا، انداز اس قدر احمقانہ تھا کہ حاتم علی اور صفدر بے اختیار پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگے۔ اس پر عمران مزید بوکھلا گیا اور چلا چلا کر تنویر کو آوازیں دینے لگا۔ "اے بھائی سُن پیر... سوری تن ویر۔ ذرا جلدی سے آجاؤ۔ ان لوگوں نے ہنس ہنس کر میرا معدہ ہلا دیا ہے۔"

"آپ بہت پریشان کرنے لگے ہیں اس بے چارے کو۔" صفدر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب۔ یہ تم بیولیوں کی زبان میں گفتگو کب سے فرمانے لگے ہو؟"

"بس کیجیے۔ آج تو ہنس ہنس کر ویسے ہی پیٹ میں درد ہونے لگا ہے۔"

"یہ بھی عین ہویانہ مرض ہے۔" عمران پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "میرا خیال ہے تم جنس بدل رہے ہو پیارے۔"

"لاحول ولا۔ گندی باتوں سے آپ کو گھن نہیں آتی؟"

"پچھلے سال آئی تھی تو نمونیا ہو گیا تھا۔" عمران کراہا۔ صفدر ہنسنے لگا۔ حاتم علی نے بھی فراخدلی سے اس کا ساتھ دیا۔

"عمران صاحب سُنا ہے ذرات کے پیکر نے آج کچھ لوگوں سے خطاب کیا تھا۔" صفدر نے یکایک سنجیدہ ہو کر دریافت کیا۔

"چھوڑو یار۔ خاندانی منصوبہ بندی والا تھا۔ یوں ہی ڈرا دھمکا رہا تھا کہ فیملی پلاننگ پر عمل کرو وغیرہ۔"

"اور حاتم علی اس کی مخالفت کر رہا تھا؟" صفدر نے چوٹ کی۔

"دراصل جب سے شہزادی دل بہار کو اغوا کیا گیا ہے شنکیاری اسٹیٹ میں حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔" حاتم نے کہا۔ "شہزادی دل بہار کو اغوا کر کے طوفان صاحب نے قید کر لیا ہے اور اپنے چیلوں کے ذریعے اس کے حامی شنکیاریوں کو اطاعت قبول کرنے کا پیغام بھیجا تھا۔ اس وقت پچیس فیصد کے قریب لوگ ایسے ہیں جو شہزادی کی واپسی کے لیے بے چین ہیں۔ باقی گھبرا کر اس کی فرمانروائی کو منظور کر چکے ہیں۔ اس وقت وہ پیکر اُن ہی لوگوں کو سمجھا بجھا رہا تھا۔"

"اس وقت شہزادی کی حمایت کرنے والا گروہ بہت ہی کمزور ہو چکا ہے۔" عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہارے چیف کی یہ خواہش ہے کہ اس گروہ کی حمایت کی جائے اور اسے کامیاب بنایا جائے۔"

"لیکن عمران صاحب۔ ایکسٹو کو شنکیاریوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"میرا خیال ہے وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے۔ اگر یہاں شہزادی کی حکومت نہ ہوئی تو رسم و رواج ختم ہو جائیں گے اور اُسے طلاق دینے کے بعد گوشت کے دم پخت پارچے کھانے کو نہیں ملیں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ حاتم کی نسل سے ہیں۔"

"حاتم کی نہیں جناب۔ حاتم طائی کی کہیے۔" حاتم جھینپ کر بولا۔

"جو جی میں آئے سمجھ لو۔" عمران نے کہا۔

"چیف کے کہنے کے مطابق تو یہ ساری کارروائی گیبی پوائنٹ کے سلسلے میں ہو رہی ہے۔" صفدر نے کہا۔

"اب کی ہے نا کوئی ڈھنگ کی بات۔ ہاں، یہ اصلی کا کھڑاگ ہے۔" عمران نے کہا۔ "تم نے غور کیا ہو گا کہ یہ آزاد ریاستیں ہمارے ملک کے لیے بے انتہا مفید سرحدی محافظوں کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں اب تک کئی بار پڑوسی ملک ہمارے ملک پر حملہ کر چکا ہے لیکن اسے ایک بار بھی ان ریاستوں کی طرف سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اب اگر کوئی شخص، میرا مطلب ہے کوئی ایسا شخص، جو ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہو اور وہ ان سرحدی محافظوں کو ختم کر دے تو کیا ہو گا۔ تمہیں ان سرحدوں کی حفاظت کے لیے کیا کچھ کرنا پڑے گا، کچھ اندازہ لگا سکتے ہو تو لگاؤ۔"

"لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ پچھتر فیصد لوگ شہزادی

کے خلاف ہو گئے ہیں؟" صفدر نے کہا۔
"صرف حاجی بابا کی وجہ سے" حاتم علی نے بتایا۔
"یہ کون صاحب ہیں؟"
"اسے تم شنکیاریوں کا روحانی بزرگ سمجھ سکتے ہو۔"
"اوہ! لیکن اُسے تو شہزادی کی بھرپور حمایت کرنی چاہیے" صفدر نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔
"ہاں، دیکھنا یہ ہے کہ کہیں اس کی روحانیت سے کوئی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھا رہا ہے" عمران نے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"یہی کہ کہیں وہ حضرت ہی مجرموں کا آلۂ کار نہ بن گئے ہوں، یا ان کی شخصیت میں غیر ملکی روح حلول کر گئی ہو۔"
"اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود اس کی نیت میں فتور آ گیا ہو" صفدر نے کہا۔
"ہاں یہ بھی ممکن ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اس کے چرن چھونے جانا ہی پڑے گا۔"
"آخر یہ خاک کے پیکر میں کیا بلا؟" صفدر نے الجھے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔
"تم کیپٹن پوپر کو کیا سمجھتے ہو؟ اس کی سائنسی قوت کا کچھ اندازہ نہیں۔ اس کی شیطانی کھوپڑی دن بدن نئے نئے گل کھلانے لگی ہے۔ میرا خیال ہے وہ جلد ہی زیرولینڈ کا رخ کرنے والا ہے" عمران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"زیرولینڈ" صفدر اچھل پڑا "اوہ تو کیا تھریسیا اس سے مل گئی ہے؟"
"آخر وہ کب تک میرے انتظار میں کنواری بیٹھی رہے گی؟" عمران بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔
"اتنا ہی خیال ہے تو پکڑ کیوں نہیں لیتے اس کا ہاتھ؟"
"کیا بتاؤں۔ ڈیڈی نے منع کر رکھا ہے۔ بچپن سے ہی فیملی پلاننگ کے پمفلٹوں میں لپٹی ہوئی آئس کریم، ٹافیاں اور مٹھائیاں کھا کھا کر میں مجبور ہو گیا ہوں کہ شادی ہی نہ کروں۔ تم نے وہ مثال تو سن ہی رکھی ہو گی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ بتاؤ کس قدر خوب صورت ساز ہے۔ تم نے شاید ابھی تک بانسری کی آواز نہیں سنی ہے؟"
"نہیں تو" صفدر اور حاتم دونوں ہی چونک پڑے۔
"بھیا تنویر ذرا زور سے، ان تک آواز نہیں پہنچی۔"

عمران نے ہانک لگائی۔
پھر دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی تنویر کی دہاڑ سنائی دی۔ وہ طوفان کے جھونکے کی طرح باتھ روم سے نکلا اور عمران ارے باپ رے کا نعرہ لگا کر ایک طرف بھاگا پھر ٹھٹک کر رہ گیا۔ عمران کے ساتھ ساتھ صفدر، حاتم اور تنویر بھی بوکھلا کر جہاں کے تہاں رک گئے اور عمران پر تشویش نگاہوں سے دیوار کے اس حصّے کی جانب دیکھنے لگا جہاں کا پلاسٹر ادھڑ کر گر گیا تھا۔ فرش پر گری ہوئی وہ گولی تو صاف دکھائی دے رہی تھی، جو ایک لمحہ پہلے عمران کی کھوپڑی سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی تھی۔
عمران دل ہی دل میں تنویر کو دعائیں دینے لگا جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چند لمحے پہلے چھوڑ چکا تھا، ورنہ گولی ٹھیک اس کی کھوپڑی پر ہی پڑتی اور پھر اس کی کھوپڑی کے چیتھڑے اُڑ جاتے اس نے دفعتاً جست لگائی اور اندھوں کی طرح کمرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگا "جانے نہ پائے یہیں کہیں ہے" عمران چیخا، پھر سب ہی کمرے میں ادھر ادھر بکھرے ہوا میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مصداق ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے پاگل خانے کے کسی کمرے میں چار دیوانے ایک دوسرے کو ڈھونڈنے کا کھیل کھیلنے میں مصروف ہیں۔
دفعتاً تنویر کا ہاتھ کسی سے ٹکرایا۔ بس پھر کیا تھا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس سے لپٹ پڑا اور جب عمران کی کراہ اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے بوکھلا کر اُسے چھوڑ دیا۔ وہ جھونک میں عمران ہی سے ٹکرایا تھا۔ اُدھر حاتم علی کسی نادیدہ جسم سے الجھا دکھائی دیا تو سب اس کی مدد کو لپکے۔ انھوں نے غیر مرئی انسان کو گھونسے اور لاتیں مار کر فرش بوس کر دیا۔ عمران ہاتھ جھاڑتا ہوا جھکا اور اُسے ٹٹولنے لگا۔ "اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہ راجعون" وہ بڑبڑایا۔
"مر گیا کیا؟" صفدر حیرت سے بولا۔
"بھائی تنویر کے ہاتھ لگے ہوں تو کس طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ وہ تو خیر ہوئی کہ علی عمران مع اپنی ڈگریوں کے تھا ورنہ نہ جانے کیا حشر ہوتا۔"
"مجھ سے بکواس کی تو منہ توڑ دوں گا" تنویر غرایا۔
"اچھا بھائی" عمران کھوپڑی کا عقبی حصّہ ٹٹول کر بولا۔ "خدا نے میری دعا قبول کر لی۔ اگر وہ تمھیں عورت بنا دیتا تو میری عاقبت ہی خراب ہو جاتی۔"

"نہ جانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔ تم جیسا بے شرم میں نے کہیں نہیں دیکھا" تنویر دہاڑا۔

"قطب شمالی چلے جاؤ تو بہت ملیں گے" عمران نے کہا۔

"شٹ اپ" وہ حلق کے بل چیخا۔

"آپ سے کچھ کہہ رہے ہیں" عمران نے صفدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اس غیر مرئی شے پر جھک گیا چند لمحے اس کی تلاشی لیتا رہا، پھر ایک طویل سانس لے کر اٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی وزنی چیز تھی لیکن اُسے دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ عمران نے وہ چیز صفدر کی طرف بڑھادی۔

صفدر نے اُسے ہاتھ میں لیا تو چونک پڑا۔

اس نے بے آواز ریوالور تو بہت سے دیکھے تھے لیکن بے آواز اور نادیدہ ریوالور زندگی میں پہلی بار اس کے ہاتھ آیا تھا چند لمحے وہ اسے ہاتھ میں تولتا رہا پھر حاتم علی کی طرف بڑھادیا" واقعی، اگر گیبی پورٹر ہی اس معاملے کی پشت پناہی کررہا ہے تو اس نے سائنسی اعتبار سے بہت ترقی کی ہے" وہ زیرِ لب بولا۔

"ہاں لیکن اس بار وہ کھل کر سامنے نہیں آرہا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے" عمران نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"کھل کر تو وہ کبھی بھی سامنے نہیں آیا" صفدر نے کہا۔

"کیا آپ نے اُسے دیکھا ہے؟"

"میں نے ایک بار دیکھا تھا دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے مجھے شبہ ہے کہیں وہ خود بھی مافوق الفطرت ہستی نہ ہو"

"آپ اور اسے مافوق الفطرت خیال کررہے ہیں" صفدر بڑبڑایا۔ اس کے لہجے سے مایوسی مترشح تھی۔

"ہاں پیارے" عمران نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اگر وہ اس وقت بھی سامنے آجائے تو میں اُسے پہچان نہیں سکتا۔ بس بعض مخصوص چیزوں سے ہی اس کی شناخت ہو سکتی ہے"

"میرا خیال ہے اس سے زیادہ عجیب مجرم سے پہلے کبھی پالا نہیں پڑا"

"آئندہ بھی نہیں پڑے گا" عمران نے ہنس کر کہا "وہ پہلا اور آخری شیطان ہے"

"آخر وہ لوگوں کو غائب کس طرح کردیتا ہے" حاتم علی نے الجھی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"دیکھنا چاہتے ہو" عمران شریر لہجے میں بولا "اگر خواہش ہو تو پانی کی ایک بالٹی بھر کے لے آؤ۔ یہ ابھی سامنے آجائے گا"

"کیا مطلب" سبھی چونک پڑے۔

"مطلب کے لیے پانی کی بالٹی ضروری ہے۔ ذرا تکلیف کرو"

صفدر بھاگا بھاگا باتھ روم میں گیا اور پانی سے لبالب بھری ہوئی بالٹی لے کر واپس آگیا۔ عمران کے اشارے پر اس نے پانی کو فرش کے اس حصے پر ڈالنا شروع کردیا۔ جہاں اس کے اندازے کے مطابق ایک غیر مرئی لاش پڑی ہوئی تھی۔ پانی گرتے ہی ہلکا ہلکا دھواں اٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ دھوئیں کے حجم میں اضافہ ہوتا چلا گیا، پھر کثیف دھوئیں کا بادل اٹھتا نظر آیا۔ چند ہی لمحے بعد ان کی نگاہوں کے سامنے ایک غیر ملکی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ غیر ملبوس تھا۔ عمران لاحول پڑھتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا "اوہ بھوت۔ اسے پاجامہ وغیرہ پہناؤ تو میں بھی درشن کرلوں" عمران نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور یوں کانپنے لگا جیسے تپِ لرزہ ہوگیا ہو۔

"اس انکشاف پر مجھے شدید حیرت ہو رہی ہے عمران صاحب" صفدر بڑبڑایا۔

"تو پھر تم بھی ایک بالٹی پانی سے غسل فرمالو" عمران نے اسے آنکھ ماری اور صفدر جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ تنویر تو یوں لاش کو گھور رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہوگیا ہو۔ عمران نے اسے لاش کی طرف متوجہ دیکھا تو رگِ شرارت پھڑکنے سے باز نہ رہ سکی۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بڑبڑایا۔

"کوئی قریبی عزیز معلوم ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو صبر کی توفیق دے اور لواحقین کو جنت الفردوس میں جگہ دے کر رہائش و طعام کا بندوبست فرمائے"

تنویر نے شاید سنا نہیں تھا یا پھر نظر انداز کر گیا تھا ورنہ عمران کو بھاگ ہی لینا پڑتا۔

"عمران صاحب۔ آپ نے بتایا نہیں... یہ سب آپ پر کیونکر منکشف ہوا" صفدر نے اصرار کیا۔

"کیا بتاؤں۔ پرسوں رات افراسیاب کی خالہ کا پوتا اپنی بیوی کے سالے کی خلیری بہن کے نکاح میں مجھے مل گیا تھا۔ باتوں باتوں میں تذکرہ نکل آیا تو کہنے لگا کہ ایسی لاشوں کو گھورنا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ میں نے کہا بعض لوگ معیوب خیال نہیں کرتے۔ بس اسی بات پر جھگڑا بڑھ گیا۔ خوب خوب مذاکرات ہوئے اور نتیجہ یہی نکلا کہ صاحب دیکھنے والے دیکھتے ہیں جو معیوب خیال کرتے ہیں وہ جہنم میں جائیں"

"بہر طور اب کیا ارادے ہیں عمران صاحب، کیا آرام کیا

جائے ؟" حاتم علی نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔
عمران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے جھک کر اس لاش کو کندھے پر اٹھا لیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ جاتے جاتے البتہ کہہ گیا کہ کسی گورکن کی تلاش میں جا رہا ہے۔ اگر مل گیا تو واپسی ہوگی ورنہ رات بھر اس کے لیے قبر کھودنے میں صرف کر دے گا۔



تنویر نے سوچا کہ یوں بستر پر لیٹے رہنے سے کہیں کوئی مرض ہی جان کو نہ آجائے۔ اُسے کچھ گھومنا پھرنا چاہیے۔ یا پھر وقت گزارنے کے لیے کسی دلچسپی میں حصہ لینا چاہیے۔ لیکن وہاں دلچسپی لینے کو تھا ہی کیا ؟
آغازِ سفر سے ہی حادثات ہوتے رہے تھے۔ چھوٹے موٹے لیکن انتہائی تضحیک آمیز واقعات شروع ہی سے ہوتے آئے تھے اس لیے اس کا موڈ اس قدر خراب ہو گیا تھا، ورنہ وہ ضرور کوئی مصروفیت نکال لیتا۔ وہ خود بھی تو رنگا رنگ طبیعت کا مالک تھا۔ البتہ عمران اس کے لیے مسلسل آزار کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی اس کا منہ خراب ہو جاتا بالکل اسی طرح جیسے مرچیں چبالی ہوں۔ اُدھر عمران کو بھی اس سے گویا خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔ جب بھی موقع ملتا، خوب اس کی ٹانگ لیتا تھا۔
مسہری سے اُٹھ کر اس نے ایک طویل انگڑائی لی۔ خواب آور گولیوں اور مسلسل لیٹے رہنے کی وجہ سے اس کی حالت عجیب تھی۔ آنکھیں نیند کی زیادتی سے سُرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ تھکن سے نڈھال اور جسم شکنجے میں کسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔
مسہری چھوڑ کر وہ نیچے اترا، اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے گہری نگاہوں سے اپنے سراپا کا جائزہ لیا پھر ایک مضمحل سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری۔ وہ ذہنی طور پر خود کو خوش رکھنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس خیال کو قوتِ ارادی نے بڑی تقویت دی۔ اس نے قدرے بشاشت سی محسوس کی اور آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔
اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔
باتھ روم میں گھس کر اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ شیو بنانے، کپڑے بدلنے اور بالوں میں کنگھی وغیرہ سے فارغ ہو کر اس نے ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ زیب تن کیا اور سگریٹ سلگا کر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ واقعی پُر وقار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔
دفعتاً اس کی سماعت سے کسی کے ہنسنے کی آواز ٹکرائی۔ ہنسی بہت دلکش تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلترنگ بجا ہو۔ وہ چونکا۔
اس کے سامنے ایک انتہائی خوبصورت لڑکی کھڑی ہنس رہی تھی۔ لڑکی لباس کی حد تک کسی طرح بھی شہزادی دل بہار سے کم نہ تھی۔ اس نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے متناسب سُرخ و سپید جسم پر شکیاری لباس خوب کھل رہا تھا۔ تنویر نے بھرپور انداز میں اس لڑکی کی طرف دیکھا، پھر اس کی کھوپڑی کے کسی گوشے میں عشق کے جراثیم کلبلانے لگے۔
تنویر نے اشارے سے اس لڑکی کو اپنی طرف بُلایا۔ وہ قیامت خیز انداز میں چلتی ہوئی اس کی طرف بڑھی اور چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی ہو کر مسکرانے لگی۔
"تم کون ہو ؟" لڑکی نے پوچھا۔ اس کی مترنم آواز سُن کر تنویر کا جی چاہا کہ اس کے قدموں میں لوٹ جائے۔
"میں اس قلعے کا مہمان ہوں لڑکی۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم ہماری زبان کس طرح بول رہی ہو ؟"
"اوہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر حیرت کا اظہار کیا جائے۔ میں نے کئی سال دارالحکومت میں کالج اٹینڈ کیا ہے۔ میں انگریزی تو کسی اہلِ زبان کی طرح بول سکتی ہوں۔"
"اوہ۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ پہلے کبھی تم سے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔" لڑکی نے بڑے ہی دلآویز انداز میں مسکراہٹ اچھالی اور تنویر کی کھوپڑی میں پھلجھڑی چھوٹنا شروع ہو گئی... اس کا جی چاہا کہ نعرہ لگا کر ناچنا شروع کر دے... زندگی میں ایک ہی تو قدر دان عورت ملی تھی، جس نے برملا تعریف کر کے اس کی شخصیت کو صحیح معنوں میں شناخت کیا تھا۔
"میں بھی یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے میری تکمیل آج اور ابھی ہوئی ہے۔"
"چھوڑو بھی... تمہارا کیا بھروسہ... میرا خیال ہے دارالحکومت میں رہنے والا کوئی خوبصورت نوجوان کسی محبوبہ کے بغیر نہیں رہ سکتا... اور شاید تم نے بھی وہاں ایسی کوئی ہستی محفوظ کر رکھی ہے۔" لڑکی نے شریر لہجے میں کہا۔
"نہیں، تم غلط سمجھیں۔" تنویر لوکھلا کر بولا۔ لڑکی حد سے زیادہ بیباک اور ماڈرن دکھائی دیتی تھی۔ ابھی تعارف کے مراحل

ملے بھی نہیں ہوئے تھے اور اس نے محبت کی راگنی الاپنی شروع کر دی تھی۔" میں نے ابھی تک تمہارا نام نہیں پوچھا۔" وہ بولا۔

"میرا نام سحر ہے۔" لڑکی نے مترنم لہجے میں کہا۔

"سحر۔" تنویر نے زیرِ لب کہا جیسے وہ لڑکی کے ساتھ ساتھ اس کے نام کے سحر میں بھی ڈوب گیا ہو۔" کس قدر خوبصورت نام ہے۔ مجھے تنویر کہتے ہیں۔" اس نے فدا ہو جانے والی نگاہوں سے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری شخصیت ہی کی طرح پیارا نام ہے۔" لڑکی نے بیباکی سے تعریف کی۔" کس خیال میں ڈوب گئے۔ کوئی گرل فرینڈ یاد آ رہی ہے کیا؟"

"گرل فرینڈ، نہیں میں اس قسم کی چیزیں پالنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تمہارا ایک ساتھی، کیا نام ہے اس کا، وہ جو ذرا احمق سا ہے۔ اس نے کل رات مجھے بتایا تھا کہ تم دارالحکومت کی ایک غیر ملکی لڑکی کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔" لڑکی نے اٹھلا کر کہا اور بے تکلفی سے مسہری پر بیٹھ گئی۔

"عمران۔" تنویر دانت کچکچا کر بولا۔" وہ میرے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا عادی ہے۔"

"تو کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم جولیا نامی لڑکی کو بری طرح چاہتے ہو؟" لڑکی نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ کہا اور لپک کر تنویر کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔" اجی لعنت بھیجو کس کا تذکرہ کر رہی ہو تم بھی۔ میں تو اس کی صورت تک دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

تنویر نے جولیا کا تذکرہ کچھ اس انداز میں کیا گویا وہ دارالحکومت کا غلام رہا ہو۔

"بہر طور۔" لڑکی خوشی سے کھل کر بولی۔" میں نے تمہیں اس روز دیکھا تھا جس روز تم حمام میں جا گھسے تھے اس دن میری ساتھی عورتوں نے واقعی تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی۔ سچ پوچھو تو میں تمہیں دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئی تھی کہ بیان نہیں کر سکتی۔"

"اوہ۔ تم کس قدر اچھی اور سویٹ لڑکی ہو۔" تنویر جذبات سے مغلوب لہجے میں بولا۔

"اور وہ جولیا کیسی لڑکی ہے؟"

"بالکل بکواس۔ تمہاری جوتی کے برابر بھی نہیں..."

تنویر نے جواب دیا، پھر بری طرح سے چونک پڑا۔ کمرے میں اس قسم کی آواز سنائی دی جیسے کوئی چڑیا چہچہائی ہو۔ اس نے بوکھلا کر سحر کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس الماری کی طرف بڑھ گیا جس میں ٹرانسمیٹر رکھا تھا۔

اس نے ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔ دوسری طرف سے ایکسٹو تھا۔ اس کی آواز سن کر تنویر کا خون خشک ہو گیا لیکن جواب دیے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اس نے فوراً کہا۔" یس تنویر دس سائیڈ۔"

"ایکسٹو۔" ایک بار پھر ایکسٹو کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ایٹ یور سروس سر۔" تنویر نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"جولیا کو بلاؤ۔"

"ج... جو... جولیا۔" تنویر نے ہکلا کر کہا، پھر بوکھلا کر سحر کو دیکھنے لگا جو مسکراتی ہوئی اس طرف بڑھ رہی تھی۔ تنویر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ بلندی سے پستی کی طرف گرتا چلا آ رہا ہو۔

"تو تم سحر کی بجائے جولیا ہو۔" وہ مردہ سے لہجے میں بولا پھر رومال نکال کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

جولیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ خاموشی سے ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑی ہو کر ایکسٹو سے گفتگو کرنے لگی۔

"یس سر۔ جولیا دس اینڈ۔"

"رپورٹ۔" ایکسٹو نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں نے حاجی بابا کی رہائش گاہ تک رسائی حاصل کر لی ہے جناب۔ وہاں میں نے ایک گونگی اور بہری لڑکی کے روپ میں ملازمت کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ رہائش گاہ میں گھسنے میں کامیاب نہیں ہو سکی، تاہم وہاں کے لوگوں کی کچھ باتیں ٹیپ کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ اس ٹیپ کو سن کر حاتم علی نے کہا ہے کہ کچھ لوگ شہزادی سے بہت محبت کرتے ہیں اور وہ ہر حال میں اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔ اتفاق سے ٹیپ میں ایسے آدمیوں کی گفتگو تھی جو شہزادی کی حمایت میں اپنی جان تک کی بازی لگا سکتے ہیں۔ یہ رہائش گاہ ایک چٹان پر واقع ہے اور وہاں سخت پہرہ رہتا ہے۔ شنگیلاری لوگ کسی کو اندر گھسنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

"ٹھیک ہے، تم حاتم علی کے ساتھ کام کرو اور اپنی آنکھیں

کھلی رکھو۔ زبان سختی سے بند رکھنا اگر انھیں ذرا بھی شبہ ہو گیا کہ تم شنکیاری نہیں ہو تو موت کے گھاٹ اتار دیں گے، اوور اینڈ آل۔"

جولیا نے ایک طویل سانس لیا اور سلسلہ منقطع کر کے پلٹ کر دیکھا تو تنویر کمرے سے غائب تھا۔

میک اپ کر کے عمران بالکل کوئی شنکیاری ہی لگتا تھا۔ حاتم علی پہلے ہی کسی شنکیاری کے میک اپ میں تھا۔ انھوں نے مقامی لباس زیب تن کر لیا اور آئینے میں خود پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر مطمئن ہو گئے۔ ان کے چہروں پر گھنی سفید داڑھیاں تھیں۔ خدوخال سے وہ خاصے ضعیف العمر دکھائی دیتے تھے۔ عمران تو اس وقت کسی پیرزال کی کامیاب نقل کر رہا تھا۔

وہ کمرے سے نکل کر قلعے کی اس سرنگ میں پہنچ گئے جہاں سے باہر نکلنا تھا۔ عمران نے غار میں تاریکی کے باعث طاقتور ٹارچ روشن کر لی مختلف قسم کے میکنزم چھیڑتے ہوئے وہ قلعے سے باہر آ گئے، پھر ایک طرف چل دیے۔ باہر سورج کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس قدر پُرفضا مقام تھا کہ حاتم علی کو بوڑھے کے میک اپ میں الجھن سی ہونے لگی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اونچی نیچی راہوں پر دور تک بھاگتا چلا جائے لیکن اُسے ایک طویل سانس لے کر رہ جانا پڑا۔ عمران اس وقت یوں چلا آ رہا تھا جیسے بڑھاپے کے سبب ایک قدم اُٹھانا بھی محال ہو۔

وہ خاموشی سے آگے بڑھتے رہے۔ موسم انتہائی خوشگوار تھا۔ ان کی نگاہ دور ایک میدانی حصے پر پڑی وہاں شنکیاریوں کا ایک گروہ کھڑا دکھائی دیا۔ اِدھر اُدھر سے اور بھی لوگ جمع ہو رہے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کچھ دیر بعد وہاں کوئی تقریب شروع ہونے والی ہے یا پھر وہ خاکی پیکر جو انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے، ان لوگوں سے خطاب کرنے والا ہے۔ عمران نے پُرتشویش نگاہوں سے اس طرف دیکھا اور پھر حاتم علی کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اسی جانب دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے پاس واٹر پسٹل ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں اُسے ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں۔" حاتم علی نے کہا۔

"غیرت مند لوگ ہمیشہ پانی بلکہ چلو بھر پانی اپنے پاس رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔" عمران نے فلسفیانہ لہجے میں کہا اور حاتم علی ہنسنے لگا۔ اس نے عمران کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دونوں تیزی سے اس میدان کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں لوگوں کا ہجوم دھیرے دھیرے بڑھ رہا تھا، اس میدانی حصے کے چاروں طرف درختوں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔

جلد ہی وہ اس مجمعے میں پہنچ گئے۔

عمران نے حاتم علی کو اشارہ کیا اور وہ لوگوں کو دھکیلتے آگے بڑھنے لگے۔ شنکیاریوں نے ان بوڑھے آدمیوں کو گزر کر آگے بڑھنے کا موقع دیا اور وہ سب سے آگے جا کھڑے ہوئے۔ عمران اس دوران کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھتا رہا تھا کہ کوئی ان کی طرف متوجہ تو نہیں۔ لیکن شنکیاری اسٹیٹ کے رواج کے مطابق سب لوگ بوڑھوں کو دیکھ کر احتراماً اپنی نگاہیں نیچے ہی کیے رہے۔ عمران نے ایک طویل سانس لے کر یوں کھانسنا شروع کر دیا جیسے دفعتاً سانس اکھڑ گیا ہو۔

دفعتاً ایک آواز سنائی دی۔ اس آواز کو سنتے ہی مجمعے میں بھنبھناہٹ ختم ہو گئی۔ لوگ خاموشی سے اس آواز کو سننے لگے۔ یہ آواز اچانک ہی ایک درخت سے آنے لگی تھی... بادی النظر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے درخت بول رہا ہو۔ کچھ دیر تک آواز آتی رہی پھر خاموشی چھا گئی۔ اس دوران ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر اس آواز کی مخالفت میں کچھ کہا، آواز نے گرج کر اُسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ اس دوران حاتم علی، عمران کو گفتگو کے ایک ایک لفظ کا مطلب بتاتا رہا۔

اس آواز نے کہا تھا کہ شنکیاری اسٹیٹ کے لوگوں کو چاہیے کہ طوفان کے بیٹے کی اطاعت قبول کر لیں اور جو لوگ اس کے خلاف بغاوت کے جذبات رکھتے ہوں وہ راہِ راست پر آجائیں ورنہ ان پر آسمانی قہر نازل ہو گا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ شہزادی کے بعد اسٹیٹ پر اب حاجی بابا کی حکومت ہو گی۔

جواباً اس نوجوان نے شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے اس کی مخالفت کی اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ کسی بیرونی آدمی کی مداخلت کو برداشت نہیں کریں گے۔ حاجی بابا ان کے روحانی باپ ہیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ خود ان سے بات کریں۔ انھیں غیر لوگوں کا آلۂ کار نہیں بننا چاہیے کیوں کہ

سب ہی ان کا احترام کرتے ہیں اور اگر حاجی بابا نے یہ روش جاری رکھی تو ان کو ان کے منصب سے معزول کر کے کسی دوسرے بزرگ کو ان کی جگہ دے دی جائے گی۔

اس پر تکرار بڑھ گئی۔ پُراسرار آواز اور اس نوجوان میں باقاعدہ جنگ ہونے لگی۔ وہ ایک دوسرے پر غرّاتے لگے۔ اس کا اثر مجمعے پر ہوا۔ لوگ مختلف گروہوں میں بٹ گئے اور ایک دوسرے سے اُلجھنے لگے... دفعتاً فائر کی آواز سنائی دی اور وہ شخص جو مجمعے کی قیادت کر رہا تھا سینے پر ہاتھ رکھے زمیں بوس ہو گیا۔

عمران نے حاتم علی کو اشارہ کیا۔ حاتم علی چلاتا ہُوا آگے بڑھا اس نے آواز سے نہ جانے کیا کہا۔ غالباً اسے للکارا ہی تھا۔ ایک بوڑھے کو درخت کی طرف بڑھتے دیکھ کر پُراسرار آواز کچھ بوکھلا سی گئی۔ عمران سمجھ گیا کہ وہ ان پر فائر کر کے مجمعے کو مشتعل نہیں کر سکتا۔ شنکیاری میں بوڑھوں کی بڑی ہی عزت کی جاتی تھی۔ اس لیے وہ بھی یکتا جھکتا درخت کی طرف بڑھ گیا دونوں نے واٹر پسٹل نکال لیے تھے۔

پھر ان کے پستولوں سے پانی کی دھاریں نکل پڑیں۔ چند ہی لمحوں میں درخت سے دُھواں اُٹھنے لگا۔ پھر کثیف دُھوئیں کے مرغولوں کی اوٹ سے ایک شخص... جو چہرے کی ساخت سے کوئی شنکیاری ہی لگتا تھا وہ بوکھلا کر نیچے کُود گیا۔ اس کے ہاتھ سے مائک نما آلہ گر گیا۔ حاتم علی مجمعے کی طرف مُنہ کر کے چیخا۔ "دیکھا آپ لوگوں نے طوفان کا بیٹا فراڈ ہے۔ ان لوگوں میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں یہ ہماری پُرسکون زندگی میں زہر گھول دینا چاہتے ہیں۔ حاجی بابا کو بھی ان لوگوں نے مجبور کر رکھا ہے۔ حاجی بابا اپنی قوم، اپنے بیٹوں کی تباہی میں شریک نہیں ہو سکتے، یہ کوئی غیر ملکی طاقت ہے جو ہم پر حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔" وہ شنکیاری دہاڑتا ہوا بولا۔ "بھائیو! طوفان کے بیٹے نے مجھے تم سب کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا۔ یہ اس کی کرامات کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے، اگر وہ چاہے تو اس علاقے کو جہنم بنا دے لیکن وہ سب کو خوش اور راضی بہ رضا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی اطاعت قبول کر لو، اسی میں بہتری ہے۔"

"اگر اس نے تمہیں ہماری نگاہوں سے غائب کر دیا تھا تو اس میں کمال کی کیا بات ہے۔ اس کا توڑ موجود ہے۔ کیا ہم نے تمہیں دوبارہ اپنی نگاہوں کے سامنے حاضر نہیں کر لیا۔" حاتم علی غرّایا۔

> دلہن کا باپ بولا "حق مہر میں ایک لاکھ پچاس ہزار ابھی اور باقی قسطوں میں۔"
> دولہا نے چونک کر کہا "اور لڑکی قسطیں پوری ہونے کے بعد آئے گی یا ایڈوانس ادا کرتے ہیں۔"

یکایک مجمع ہاتھ اٹھا اٹھا کر چاروں طرف سے چیخنے لگا۔

پھر ایک بوڑھا اس ہجوم سے نکل کر حاتم علی کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے حاتم علی کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور غیر مانوس زبان میں کچھ کہنے لگا۔ عمران اس کے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔ ہجوم میں موجود ہر آدمی بڑی طرح حلق پھاڑ رہا تھا حاتم علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔

اچانک ہی پے در پے دھماکے ہونے لگے۔ ہجوم میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ عمران نے لبادے سے ریوالور نکال لیا۔ وہ ایک ہاتھ میں واٹر پسٹل سے پانی کی بوچھار کرتا رہا اور جو بھی سامنے آیا یا جہاں سے بھی ذرا سی دھوئیں کی لکیر دکھائی دی اس نے بلا تکلف فائر جھونک مارا... کوئی چیخ سنائی دیتی تو وہ دوسری طرف متوجہ ہو جاتا۔

رفتہ رفتہ ہر طرف کثیف دھواں پھیلتا چلا گیا۔ عمران اور حاتم علی نے محسوس کیا کہ سانس لینا تک دشوار ہو رہا ہے۔ دفعتاً حاتم علی کو اپنے ہاتھ پر کسی کی گرفت محسوس ہوئی، اس نے چونک کر دیکھا، وہ عمران تھا۔

"نکل چلو فرزند۔ اب یہاں رُکنا بے کار ہے۔"

دونوں سرپٹ بھاگ اٹھے۔ اس وقت کوئی ان بوڑھوں کو دیکھتا تو دانتوں تلے انگلی دبا لیتا۔ وہ بوڑھے اس قدر تیزی سے بھاگ رہے تھے جیسے ان کے پیروں میں پَر لگ گئے ہوں۔



عمران نے خفیہ دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے تعاقب میں حاتم علی بھی اندر آ گیا۔ اس وقت آس پاس کے کمروں میں گہری خاموشی طاری تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس عمارت میں کوئی متنفس موجود ہی نہ رہا ہو۔

عمران نے ایک طویل سانس لی اور خاموشی سے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ چند لمحے وہ اپنی لمبی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا رہا اور پھر ایک آہ بھر کر بولا۔ "نہ جانے بڑھاپے میں کیا حالت ہو۔"

"کیا مطلب؟" حاتم علی چونک پڑا۔

"یہی کہ عالم شباب میں تو داڑھیاں لگانی پڑ رہی ہیں۔ بڑھاپے میں شاید سر منڈوانا پڑ جائے۔"

"تو کیا ہوا۔ سر منڈوانے کے کئی فائدے ہیں۔" حاتم علی شریر لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اولوں کو طبع آزمائی کا موقع مل جاتا ہے۔"

"یہ سب لوگ کہاں چلے گئے۔ عجیب سا سناٹا محسوس ہو رہا ہے۔" حاتم علی نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"سو گئے ہوں گے۔۔۔ جوانی کی نیند کے بارے میں تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ ایک بار میں گدھے پر بیٹھا بیٹھا سو گیا اور جب میری آنکھ کھلی تو میں نیچے اور گدھا مجھ پر سوار تھا۔ اُف!" عمران یہ کہہ کر باقاعدہ کپکپانے لگا۔

"پھر اس گدھے کا آپ نے کیا کیا؟" حاتم نے گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔

"میں نے اُسے ایک عالم کے حوالے کر دیا تھا۔ سنا ہے ان دنوں وہ کسی جیل کا داروغہ لگا ہوا ہے۔ کچھ عرصے کے لیے کرشن چندر مجھ سے مانگ کر لے گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر تو وہ اس قدر فصیح و بلیغ اردو بولنے لگا کہ مجھے خوف آنے لگا۔"

"۔۔خوف آنے لگا۔ اس میں بھلا خوفزدہ ہونے کی کیا بات ہے؟" حاتم نے حیرت سے دریافت کیا۔

"بھئی وہ اُردو ادب میں ٹانگ اڑانے لگا تھا۔ ایک روز جاسوسی ناولوں پر بحث کرتے ہوئے کہنے لگا کہ ان کو پڑھ کر لوگ مجرم ہو جاتے ہیں اب بتاؤ ہے نا گدھوں جیسا خیال میں نے اُسے سمجھایا کہ اے عالم فاضل گدھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جاسوسی ناول نگار تمہاری عقل تک رسائی حاصل کریں۔ یہ ممکن تو نہیں لیکن تو میری بات غور سے سُن۔۔۔ اگر یہ لوگ مرچ مسالہ لگا کر میرے کارناموں کا تذکرہ نہ کریں تو کلو حلوائی اور بدرو پر چوں فروش بھلا کیوں مجھے ادھار دینے لگے۔"

"نہ جانے کہاں کی ہانک رہے ہیں۔" حاتم نے مُنہ بنا کر کہا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

عمران اُسے پکارتا ہی رہ گیا کہ بھائی دو ایک گھنٹے تو بور کرنے کا موقع دو لیکن حاتم نے اس کی بات کو نظرانداز کر دیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ ابھی اسے گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ عمران بری طرح چونک پڑا۔ اس کی سماعت سے حاتم علی کے چیخنے کی آواز ٹکرائی تھی۔

وہ بھاگتا ہوا دوسرے کمرے میں پہنچا۔ پھر دروازے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ جولیا اور تنویر غائب تھے!

عمران لپک کر کمرے کے اس حصے میں جا پہنچا جہاں صفدر بے ہوش پڑا تھا اور حاتم علی اس پر جھکا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ بڑبڑایا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار گہرے ہو گئے۔ پھر کئی اور خیالوں نے اس کے ذہن میں کلبلانا شروع کر دیا۔ "صفدر واپس کیوں آ گیا؟"

"نہ جانے جولیا اور تنویر کہاں ہیں؟"

"کہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا؟"

دروازے سے کمرے تک پہنچتے پہنچتے اس کے ذہن میں نہ جانے کتنے خیالات گھوم گئے۔ ذہن کا فوری طور پر اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ تو بے ہوش ہے۔" حاتم بوکھلا کر بولا۔

"اچھا!" عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں اور صفدر پر یوں جھک گیا جیسے حاتم علی کی اطلاع پر یقین نہ آیا ہو۔ "آخر اس عمر میں لوگ بے ہوش کیوں ہو جاتے ہیں!"

"معلوم نہیں۔" حاتم علی نے کہا اور دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دیوار میں لگے ہوئے سوئچ کو دبا کر کمرے کے اس حصے میں بھی روشنی کر دی جہاں صفدر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

عمران چند لمحے تو حیرت سے صفدر کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے حاتم علی سے پانی لانے کے لیے کہا۔ کچھ دیر اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں ہوتی رہیں، اور پھر صفدر نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مم۔۔۔ میں۔۔۔ میں کہاں ہوں؟"

"بتاؤ یار۔" عمران نے حاتم علی سے کہا۔

حاتم علی صفدر پر جھک گیا۔ اس نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا اور اُسے تسلی دی کہ وہ اپنے کمرے میں ہے اور ہر طرح سے محفوظ ہے۔۔۔ صفدر کچھ دیر تک الجھی الجھی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کے حواس بحال

ہوتے ہوتے پندرہ منٹ صرف ہوگئے۔

"میں قلعے میں ہی ہوں نا...؟" صفدر نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں... کیا اب لکھ کر دے دوں" عمران گرج کر بولا۔

اس کی آواز اس قدر بلند تھی کہ صفدر کے بچے کھچے حواس بھی بیدار ہوگئے اور وہ پوری طرح ہوش میں آگیا۔ اس نے عمران کی طرف دیکھا اور بولا "لیکن میں تو حاجی بابا کی رہائش گاہ میں تھا"

"اور یہاں بھی تم انہی کی دعاؤں سے ٹھیک ٹھاک ہو۔ دیگر تنویر اور جولیا کی خیریت نیک مطلوب ہے"

"لیکن میں یہاں کیسے پہنچ گیا... میں تو... میں تو..." وہ بوکھلا سا گیا اس لیے اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ صفدر کی حالت دیکھ کر عمران اور حاتم دونوں ہی تذبذب میں پڑ گئے۔

"بھیا صفدر" عمران نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔ میں تمہاری جدائی میں آہیں بھر بھر کر اس کمرے کا ٹمپریچر پہلے ہی بہت کم کر چکا ہوں۔ اگر مزید چند آہیں بھر دیں تو یقین مانو سب کو نمونیہ ہو جائے گا۔ اب تم سندباد کے ساتویں سفر کا حال سنانا شروع کر دو۔ فٹافٹ، ہاں شاباش!"

"میں، جولیا اور تنویر حاجی بابا کی رہائش گاہ کی طرف گئے تھے۔ چیف نے جولیا کو حکم دیا تھا کہ حاتم علی کے ہمراہ قیام گاہ تک جائے لیکن حاتم علی آپ کے ساتھ چلا گیا تو ہم نے مشترکہ فیصلہ کیا کہ ہمیں اس رہائش گاہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ ہم وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہاں دور دور تک کسی نگراں کا نام و نشان نہیں ہے"

عمران اور حاتم علی خاموشی سے اس کی گفتگو سنتے رہے عمران کبھی کبھی اپنے بائیں کان کو جھاڑنے لگتا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے صفدر کی کہانی پر اسے اعتبار نہیں آرہا ہو۔

"ہم نے عمارت میں گھسنے کا ارادہ کر لیا۔ ابھی ہم عقبی حصے سے اس عمارت میں داخل ہونے ہی والے تھے کہ چند سیاہ پوشوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ جیسے وہ ہمارے ہی منتظر تھے۔ انھوں نے اندر لے جا کر ہماری خوب خاطر مدارات کی۔ خاطر تواضع کے بعد ہمیں آرام دہ بستر مہیا کیے اور آرام کرنے کا کہہ کر وہ کہیں چلے گئے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ کہ... آنکھ کھلی تو آپ کا حماقت مآب چہرہ دکھائی دیا" صفدر ہنس پڑا "میں نے اس کمرے میں آنکھ کھولی اور دوسرے ساتھی نہ جانے کہاں ہیں" یہ سن کر عمران گہری سوچ میں ڈوب گیا اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر اٹھ گیا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں بھی حاجی بابا کے درشن کر لینے چاہئیں، کیا خیال ہے؟"

"میں تنویر اور جولیا کے لیے فکرمند ہو رہا ہوں" حاتم علی بے چینی سے بولا۔

"یہ تمہارے نام کی خصوصیت ہے پیارے اور کوئی بات نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں کسی کیس کو نپٹاتے وقت منیر شامی نے تمہیں ہاتھی کا انڈا لانے کے لیے کہہ دیا تو تم گئے کام سے" صفدر اور حاتم علی ہنسنے لگے۔

"چلو اچھا ہوا ہم لوگوں نے ابھی تک میک اپ ختم نہیں کیا اور صفدر تو پہلے ہی شنکیاری کے بھیس میں ہے۔ چلو نکل چلیں۔ میں اب اس معاملے کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ دارالحکومت میں میری مرغیاں اور چوزے میری جدائی میں جوان ہو کر محلے بھر میں اذانیں دیتے پھر رہے ہوں گے"

کمرے سے نکل کر وہ سرنگ میں گھس گئے اور زمین دوز راستوں سے گزرتے ہوئے باہر آگئے۔

حاجی بابا کی رہائش گاہ شنکیاری سے زیادہ دور نہیں تھی۔ لیکن تھی الگ تھلگ۔ وہ اونچے نیچے چٹانی راستوں پر ہوتے وہاں پہنچ گئے۔ اس وقت شام ہو گئی تھی۔ چاند نکل آیا تھا اور زردی مائل چاندنی پورے ماحول پر نچھاور کر رہا تھا۔ وہ تینوں خاموشی سے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ عمارت پر موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"عمارت کا صدر دروازہ تو ویران دکھائی دیتا ہے" حاتم علی بڑبڑایا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ اس عمارت میں ایک بھی نگراں نہیں ہے"

"کہیں وہ کمبخت غائب ہونے کا مسالہ نہ لگائے بیٹھے ہوں" عمران نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں، اس بات کا امکان تو ہے لیکن میرا خیال ہے، ایسا نہیں ہوگا۔ آخر حاجی بابا کے نگرانوں کو دوسروں کی

نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی ضرورت کیا ہے۔" صفدر نے پُرخیال انداز میں کہا اور عمران زور شور سے گردن ہلا کر اس کی تائید کرنے لگا۔

کچھ آگے بڑھ کر عمران نے جیب سے دونوں ریوالور نکال لیے۔ اس کے ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا ہُوا اور دوسرے ہاتھ میں گولیوں سے بھرا ہُوا ریوالور تھا۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے اِدھر اُدھر پانی کی دھاریں پھینک کر غیر مرئی آدمیوں کے امکانات کا جائزہ لیتا رہا لیکن عمارت کے عقبی حصے تک پہنچنے کے باوجود انھیں ایسے کسی آدمی سے سابقہ نہیں پڑا۔

عمارت کے عقبی حصے سے انھوں نے عمارت میں داخل ہونے کا پروگرام بنایا، پھر یکے بعد دیگرے اندر کُود گئے۔ کچھ دیر آہٹ لیتے رہے۔ جب کوئی ردِ عمل نہ ہُوا تو خاموشی سے آگے بڑھتے گئے۔ عمارت پر گہری تاریکی کا راج تھا۔ جب وہ ایک راہداری میں پہنچے تو انھوں نے کسی کے ہنسنے کی آواز سنی۔ وہ حیرت سے اُچھل پڑے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قریب ہی کوئی شخص اُن کو دیکھ رہا ہو اور اُن کی نادانی پر ہنس رہا ہو۔

"اے ہنس مکھ تُو کون ہے؟" عمران کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"دوست۔" ایک آواز سنائی دی۔

"دگوشت... گوشت کا آج ناغہ ہے؟" عمران سمت کا تعین کرنے کے لیے بولتا رہا۔ لیکن بولنے والا کہیں دکھائی نہیں دیا۔ اس نے واٹر پسٹل سے اِدھر اُدھر پانی کی کئی دھاریں ماریں لیکن کہیں سے دُھوئیں کی ہلکی سی لکیر بھی نہیں اُٹھی۔ وہ مایوس ہو کر کراہا "لگ۔ کہاں ہو بڑے بھائی؟"

"خاموشی سے آگے بڑھ کر دائیں ہاتھ کے کمرے میں چلے جاؤ۔ میں ابھی آتا ہُوں۔"

"لگ... کیا ہمارے لیے ناشتے کا بندوبست کرنے جا رہے ہو؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مہمان نوازی میں مسولینی کے بھی کان کاٹ رکھے ہیں۔" عمران نے سانس لیے بغیر کہا۔

"تم بہت باتونی محسوس ہوتے ہو۔ بہر طور بہتری اسی میں ہے کہ اس کمرے میں پہنچ کر میرا انتظار کرو۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میں تمھارا دوست ہُوں۔"

"کیسے اعتماد کر لیں بڑے بھائی۔ تم دکھائی تو دیتے نہیں۔ کہیں تم آستین کے اُلّو، سوری، خنجر کا آستین کا یار وہ کیا کہتے ہیں۔" عمران نے کہا لیکن جواباً کسی کی آواز سنائی نہیں دی۔

"چلو بھائیو، اس شخص کی بات مان لینی چاہیے۔" عمران نے بلند آواز میں کہا اور راہداری میں بڑھ گیا۔ صفدر اور حاتم علی بھی اس کے تعاقب میں چل پڑے۔

وہ راہداری میں بڑھتے رہے یہاں تک کہ دائیں ہاتھ، ایک کھلے ہوئے دروازے سے نیم تاریک کمرہ دکھائی دینے لگا۔ عمران نے اشارہ کیا اور دونوں اس کے تعاقب میں اندر چلے گئے۔ ابھی وہ پہنچے ہی تھے کہ دروازے میں ایک سیاہ پوش دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور نپے تُلے قدم اُٹھاتا ان سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" حاتم علی نے بھرائے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"حالانکہ یہ سوال مجھے کرنا چاہیے تھا۔" سیاہ پوش طنزیہ لہجے میں بولا۔

"چلو تم ہی کر لو۔ لیکن تم دُنیا کے واحد مرد ہو جسے میں نے پردے کا اس قدر پابند دیکھا ہے، نہ جانے تم صوم و صلوٰۃ کے بھی اس قدر پابند ہو یا نہیں؟" عمران نے احمقانہ لہجے میں کہا اور سیاہ پوش ہنسنے لگا۔ ہنسنے کا انداز دوستانہ تھا۔ صفدر گہری نظروں سے سیاہ پوش کو گھور رہا تھا۔ نیم تاریک کمرے میں اس وقت وہ صرف ایک ہیولا ہی دکھائی دے رہا تھا۔

"کچھ بھی ہو۔ میں تم لوگوں کا دوست ہوں۔"

"اندھیرے کے دوست، تمھیں کس طرح معلوم ہُوا کہ ہم لوگ شکاری نہیں ہیں؟" عمران نے دریافت کیا۔

"اسے تم میری وجدان کی قوت کہہ سکتے ہو۔" سیاہ پوش ہنستا ہُوا بولا۔ "میرا خیال ہے تم اس ریوالور کو جھپٹنے کے لیے بے چین ہو۔ کیوں احمق دوست...؟" اس نے عمران سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، اس کا لہجہ یک بیک بھیانک ہو گیا تھا آواز اس قدر خوفناک تھی کہ صفدر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی سنسناتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ مجھ پر اعتماد کرو۔ میں دوست ہوں۔ اگر میں تمھیں نقصان پہنچانا چاہتا تو اندھیرے سے آئے ہوئے تیروں کا رُخ موڑنا تمھارے اختیار میں نہیں تھا۔ میں تمھیں عمارت میں کُودتے وقت آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔" سیاہ

پوش پُرسکون لہجے میں کہنے لگا۔
"تم چاہتے کیا ہو؟" عمران نے بیزاری سے دریافت کیا۔
"وقت کا انتظار کرو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔"
"آخر تم چھپے ہوئے یہاں کیا کر رہے تھے؟ کیا تم نے ہی مجھے بے ہوش کیا تھا؟" صفدر نے دریافت کیا۔
"میں یہاں تم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔"
"میرا خیال ہے اب تم کھل جاؤ ورنہ مجذر مستی رکھ کر چھیڑنا شروع کر دوں گا۔" عمران منہ بنا کر بولا۔
"کیا تم حاجی بابا ہو؟" صفدر بول اٹھا۔
"تمہارا خیال درست ہے۔"
"اپنی داڑھی دکھاؤ۔" عمران نے گرہ لگائی۔
"میں جدید قسم کا حاجی بابا ہوں۔ بوقتِ ضرورت آٹھ بارہ آنے والی داڑھیاں استعمال کر کے گزارہ کرتا ہوں۔" سیاہ پوش نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا اور بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔
"میرا خیال ہے تمہاری کوئی کل سیدھی نہیں ہے اس مناسبت سے تم اونٹ سے ملتی جلتی کوئی مخلوق ہو لیکن تمہارا کوہان نہیں ہے، ذرا دیکھوں کہیں تم کوئی کبڑے عاشق تو نہیں" عمران یہ کہہ کر آگے بڑھا اور پلک جھپکتے ہی سیاہ پوش کے قریب پہنچ گیا۔
سیاہ پوش نے ریوالور اس کی طرف اٹھا دیا اور نرم لہجے میں کہا "تم میرے ساتھ آؤ۔ میرا خیال ہے تم ہی ان کے لیڈر ہو۔ میں تم سے بات کروں گا اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ اطمینان سے یہیں تمہارا انتظار کریں۔"
"ٹھیک ہے...!" عمران نے اثبات میں سر ہلایا اور صفدر کو معنی خیز اشارہ کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ سیاہ پوش اس سے پیشتر ہی باہر جا چکا تھا ان دونوں کے جانے کے بعد صفدر نے حیرت سے حاتم علی کی طرف دیکھا جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔
"یہ کون ہو سکتا ہے؟" صفدر نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
"ابھی معلوم ہو جائے گا۔"
"کہیں عمران صاحب کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔" صفدر نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔
"نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر وہ ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا تو بہ آسانی یہیں ٹھکانے لگا سکتا تھا۔"
"سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا اسرار ہے۔" صفدر نے بے قراری سے پہلو بدلتے ہوئے کہا اور پھر خود بھی سوچ میں ڈوب گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد عمران کی صورت دکھائی دی۔ اس کے عقب میں سیاہ پوش تھا۔ صفدر نے دیکھا اس بار سیاہ پوش خالی ہاتھ ہے۔ عمران پُرسکون تھا۔ وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازہ کھلا اور تنویر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ جولیا بھی تھی۔
"آخر یہ کیا چکر ہے عمران صاحب؟" صفدر نے حیرت سے دریافت کیا۔
"کیا بتاؤں حاجی بابا سے پرانی دعا سلام نکل آئی ہے۔ ہم دونوں کے ڈیڈی لنگوٹیے تھے، پھر انھوں نے پاجامے پہننے شروع کر دیے اور آج کل پتلون بھائی ہیں۔" عمران نے اپنی دانست میں تعارف کرایا۔
"لیکن حاجی بابا تو شنکیاری اسٹیٹ کا غدار ہے۔ وہ تخریبی ہاتھوں کو مضبوط کر رہا ہے۔"
"یہ غلط ہے۔" سیاہ پوش غرّایا۔ "بادی النظر میں ان تخریب کاروں کا ساتھ دے رہا ہوں لیکن ایسا ناگزیر ہے۔ کیونکہ میں ان کی بے پناہ سائنسی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجھے چند ساتھیوں کی مدد درکار تھی۔ سو تم لوگ مجھے مل گئے ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم کس طرح ان غیر ملکیوں سے نمٹ سکتے ہیں۔"
"کیا تم نے گیبی پورٹر کو دیکھا ہے؟"
"نہیں۔ یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔ وہ جو کوئی بھی ہے کبھی سامنے نہیں آتا۔"
"اس کے باوجود اس نے شنکیاری کی حکومت تمھیں سونپ دی!"
"ہاں، اس سے اس کا مفاد وابستہ ہے۔ میں نے انکار اس لیے نہیں کیا کہ میں مخالفت کر کے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ ایک دُہری چال ہے ممکن ہے اس طرح میں اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جاؤں۔" سیاہ پوش نے وضاحت کی۔
"آخر یہ طوفان کا بیٹا کیا بلا ہے؟"
"میں بھی اتنا ہی بے خبر ہوں جتنا کہ تم دوست!"
"بہرطور... یہ بات تو طے ہے کہ انھوں نے شہزادی دل بہار کو قید کر رکھا ہے۔ ممکن ہے انھوں نے اسے ٹھکانے لگا دیا ہو۔" صفدر نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ سیاہ پوش ہنسنے لگا۔ ان دونوں کے علاوہ کمرے میں موجود تمام افراد بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ایک بار بھی ان کی گفتگو

میں حصہ نہیں لیا تھا۔

اور تو اور حضرتِ عمران بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دے رہے تھے۔

"شنو دوست، تمھیں شہزادی سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے۔ وہ طوفان کے بیٹے کی قید میں ہے لیکن اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ میرے آدمی وہاں بھی موجود ہیں جو مجھے پل پل کی خبر دیتے ہیں، اگر طوفان کے بیٹے نے اُسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اس وقت کوئی نہ کوئی مؤثر کارروائی کی جائے گی۔"

"آخر اس نے شہزادی دل بہار کو قید میں کیوں رکھا ہُوا ہے؟"

"تمھارا مطلب ہے اس نے اب تک شہزادی کو قتل کیوں نہیں کر دیا؟" سیاہ پوش طنزیہ لہجے میں بولا۔

صفدر نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"اس وقت جتنے بھی شنکیاری اس کی حمایت میں ہیں سبھی اس کے خلاف ہو جائیں گے۔ شنکیاری کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انھیں ایک چکمہ دیا گیا ہے ... کہ وہ یعنی طوفان کا بیٹا شنکیاری اسٹیٹ کو جدید ترین بنانا چاہتا ہے لیکن شہزادی اس کام پر آمادہ نہیں۔ وہ نہیں چاہتی کہ لوگ اس قدر ترقی کر لیں کہ کل کلاں اس کو ہی آنکھیں دکھانے لگیں لیکن وہ شہزادی کو ختم کر دے تو لوگ جو اب تک محض اس تسلی میں ہیں کہ وہ شہزادی کو اس پر آمادہ کر لے گا، اسے جھوٹا اور غدار تصوّر کر کے اسی کی جان کے درپے ہو جائیں گے۔"

"لیکن گیبی پورٹر ایک خطرناک مجرم ہے۔ وہ اُسے ختم کر دے گا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ اُسے یہ بہت مہنگا پڑے گا۔" سیاہ پوش نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"بہرحال، تم کیا چاہتے ہو؟"

"صرف تم لوگوں کا ساتھ دینا۔ میں جانتا ہوں کہ تم شہزادی اور شنکیاری اسٹیٹ کے وفادار اور ہمدرد ہو۔" سیاہ پوش نے کہا اور عمران کی طرف دیکھنے لگا جو اس وقت کسی اُلّو کی مانند اُونگھ رہا تھا۔

"جولیا اور تنویر کہاں تھے؟" صفدر نے دریافت کیا۔

"ان لوگوں کو طوفان کے بیٹے کے حامیوں نے بے ہوش کر دیا تھا۔ وہ تم لوگوں کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور تمھاری کارروائیوں کی ایک ایک رپورٹ طوفان کے بیٹے کو بلا تکلف بھیجتے رہتے ہیں۔ طوفان کے بیٹے کو معلوم ہوا کہ تم لوگ مجھ پر نظرِ کرم کیے ہوئے ہو تو اس نے تمام حفاظتی تدابیر ختم کر کے جال پھیلایا۔ تم لوگ بہ آسانی اس میں پھنس گئے لیکن میں نے تمام محافظوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اس بات کی اطلاع نہ دیں کہ تم لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"تم نے مجبور کر دیا؟" صفدر نے حیرت سے دُہرایا۔

"ہاں، تمام محافظ میری بات مانتے ہیں۔ روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے میں انھیں اپنے حکم کی تعمیل پر مجبور کر سکتا ہوں اور کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرے۔" سیاہ پوش نے فخریہ لہجے میں کہا اور کھِل کھلا کر ہنس پڑا۔

"پھر کیا ہُوا؟"

"دراصل جس وقت تم تینوں اس عمارت میں داخل ہوئے تھے اس وقت میں یہاں نہیں تھا۔ لیکن جس وقت وہ تم سب کو بے ہوش کر کے یہاں سے لے جانے والے تھے میں یکا یک پہنچ گیا۔ اس طرح تم لوگوں کی جان بچ گئی۔"

"لیکن تم نے صرف مجھے ہی کیوں واپس بھجوایا تھا؟"

"صرف اس لیے کہ تم دیگر ساتھیوں کو لے کر یہاں آجاؤ۔ دیکھا میری چال کامیاب رہی۔"

"ہوں، اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم ہمیں کسی چکر میں پھنسانے کے لیے منصوبہ بندی نہیں کر رہے ہو؟"

"میں کئی بار یقین دہانی کی کوشش کر چکا ہوں، یقین کرنا نہ کرنا تم لوگوں کا کام ہے۔" سیاہ پوش نے سرد لہجے میں کہا اور صفدر کو گھورنے لگا۔ "تم بہت زیادہ شکی مزاج ہو دوست۔"

"شک کی بات نہیں، اسے احتیاط کہتے ہیں۔" صفدر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، وقت کا انتظار کرو، ہر بات از خود تم پر آشکارہ ہو جائے گی۔"

"ہاں، ایسا کرنا ناگزیر ہے۔" صفدر نے بے بسی سے کہا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جو اس وقت بھی خاموشی سے بیٹھے تھے۔ اس وقت تک ان میں سے کسی نے بھی گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا۔

قلعے میں پہنچتے ہی عمران کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے ایک سرے سے تمام کمروں کی تلاشی لینی شروع کر دی اور نصف شب تک اس عمل میں مصروف رہا۔ حاتم علی بھی بڑی سرگرمی سے اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ صفدر، تنویر اور جولیا حیرت سے دونوں کو دیکھتے رہے اور پھر خاموشی سے اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

چند کمروں کی مزید تلاشی کے بعد عمران یکایک رک گیا۔ حاتم علی نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔ "کیا رہا عمران صاحب؟"

"مہر تو مل گئی ہے۔ تم لائبریری سے نقشے اور جغرافیائی کتب اٹھا لاؤ۔" عمران نے سنجیدگی سے کہا اور ایک سنہری مہر کو دیکھنے لگا۔ اس مہر پر ایک خوبصورت پہاڑی پرندے کا نقش کندہ تھا، اوپر ایک تاج بنا ہوا تھا اور سب سے نیچے شاہی دستخط کھدے ہوئے تھے... عمران اس مہر کو لیے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس وقت تک حاتم علی لائبریری سے واپس آ چکا تھا اس کے ہاتھ میں کتابوں کا ایک ڈھیر تھا۔ کتابیں میز پر رکھنے کے بعد وہ عمران کی طرف متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ "دوسرے ساتھیوں کو بھی بلا لاؤں عمران صاحب؟"

"ہاتھیوں کو۔" عمران بوکھلا کر بولا۔ "کیوں کیا سرکس کھولنے کا ارادہ ہے؟"

"میرا مطلب ہے وہ ہماری مدد کر کے کام کو سہل بنا سکتے ہیں۔"

"بھائی کیوں میری کھوپڑی کے دشمن ہو رہے ہو۔ تنویر نے گھور گھور کر میری جلد خراب کر دی ہے۔ جولیا ہر وقت سینڈل اتار کر میری حجامت بنانے کی فکر میں مگن اور صفدر سلیمان کے ذہن میں سوالنامہ پسر طوفان گھوم رہا ہے۔"

حاتم علی ہنسنے لگا۔ پھر قدرے سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔ "اگر ایسا ہی تھا تو اتنی بھیڑ اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کیا بتاؤں۔ تنہائی میں کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا ہے۔ آتم، چلو کام شروع کرو، باتیں بعد میں۔" عمران نے یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا اور خود کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

صبح پانچ بجے تک وہ دونوں کام میں مصروف رہے۔

عمران نے اس دوران ایک پرچے پر کوئی پیغام لکھ کر حاتم علی کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے شنکیاری میں ترجمہ کر کے فرمانِ شاہی کے مسودے کے انداز میں لکھ دے۔ حاتم علی نے بڑی محنت سے کام کیا اور اس دوران عمران جغرافیہ کی کتب اور شنکیاری کے نقشوں پر کام کرتا رہا۔

اس نے ایک کاغذ اپنے سامنے رکھ لیا تھا۔ صبح جب وہ فارغ ہوا تو اس کے سامنے رکھے ہوئے کاغذ کی طرف دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی ملک کی ریلوے لائن کا نقشہ ہے۔ آڑی ترچھی لکیروں کا ایک جال تھا۔ حاتم علی نے اس کاغذ کو دیکھا تو چونک پڑا۔ "یہ کیا ہے پیرومرشد،" وہ مسکرا کر بولا۔

"نقشہ۔" عمران نے مختصراً کہا اور منہ پھاڑ کر جماہی لینے لگا۔

"کیا بوقت ضرورت آپ اس سے استفادہ کر لیں گے؟" حاتم علی چونک پڑا۔

"ہاں بھائی... اور کیا مجھے ببول کا کانٹا چبھ گیا تھا کہ رات بھر بیٹھا مغز ماری کرتا رہا ہوں۔"

"فرمانِ شاہی تیار ہے، اب کیا ارادے ہیں؟"

"لو یہ شاہی مہر لگا دو۔" عمران نے مہر جیب سے نکال کر حاتم علی کے حوالے کر دی۔

شاہی فرمان پر مہر لگا کر اس نے فرمان کو رول کیا اور عمران کی طرف بڑھا دیا۔ عمران نے مہر لی اور اسے واپس اسی کمرے میں رکھ آیا، جہاں سے نکالی تھی۔ واپسی پر اس نے حاتم علی کو اشارہ کیا اور دونوں خاموشی سے باہر آ گئے۔

باہر گھپ اندھیرا تھا۔ ابتدائی راتوں کا چاند نہ جانے کہاں جا سویا تھا۔ عمران نے ٹارچ روشن کر لی۔ یہ مخصوص قسم کی ٹارچ صرف ایسے ہی علاقوں میں استعمال کرنے کیلئے تیار کی گئی تھی۔ اس سے صرف چند قدم کا فاصلہ دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ تین گز سے زائد فاصلے پر کھڑے ہوئے آدمیوں کو یہ نہیں محسوس ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص ٹارچ روشن کیے بڑھا چلا آ رہا ہے۔

دونوں خاموشی سے آگے پیچھے چل رہے تھے ان کا رُخ شنکیاری کی بستی کی طرف تھا جو نشیب میں سوئی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ کڑاکے کی سردی اور پھر پہاڑوں سے سر ٹکراتی ہوئی خنک ہواؤں کے جھونکے سرد تیروں کی طرح ان کے چہروں

پر لگتے تو وہ کانپ جاتے لیکن اس کے باوجود نہ تو ان کی رفتار متاثر ہوئی اور نہ ہی چہرے پر اضمحلال ظاہر ہوا۔

بستی میں پہنچ کر عمران نے نقشہ نکالا اور ٹارچ کی روشنی میں اسی الجھے ہوئے نقشے کا جائزہ لینے لگا۔ چند لمحے وہ ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ حاتم علی بھی اس کے تعاقب میں بڑھتا چلا گیا۔

اس وقت وہ ایک کشادہ گلی سے گزر رہے تھے عمران ایک مکان کے سامنے رُک گیا۔ چند لمحے وہ حاتم علی کے ساتھ سرگوشیاں کرتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ دستک اس قدر آہستگی سے دی تھی کہ صرف مکین ہی سن سکے اور اس کی آواز سناٹے میں نہ پھیلنے پائے۔ ایک بار دستک دینے کے بعد کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو اس نے دوبارہ دستک دی۔

دروازے کی دوسری طرف سے کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی، پھر دروازہ کھل گیا۔

عمران نے دیکھا اس کے سامنے دراز قامت شخص کھڑا تھا۔ اس کی سفید داڑھی بلامبالغہ پیٹ تک جھول رہی تھی۔ . . بادی النظر تو عمران یہی سمجھا کہ وہ ایپرن باندھے ہوئے ہے پھر اس نے داڑھی سے توجہ ہٹا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہ آدمی پھٹی پھٹی نگاہوں سے عمران اور حاتم کو دیکھ رہا تھا انداز ایسا تھا جیسے وہ دو اجنبی لوگوں کو دیکھ کر گھبرا گیا ہو۔

عمران نے حاتم علی کو ٹہوکا دیا۔ حاتم نے فوراً ہی جھک کر اس شخص کو فرشی سلام کیا اور مؤدب لہجے میں بولا۔

”معزز بزرگ ہم شہزادی دل بہار کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ تخلیے میں چلیں۔“

”اوہ، لیکن اس سے پہلے میں نے تمھیں کبھی نہیں دیکھا،“ بوڑھا شنکیاری میں بولا۔

”دیکھا تو کئی بار ہے لیکن اس وقت ہم مجبوراً بھیس بدل کر آئے ہیں،“ حاتم نے شنکیاری زبان کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور مؤدب کھڑا رہا۔

عمران نے بوڑھے کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھے اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن فوراً ہی اس نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ بوڑھا انھیں اندر آنے کا اشارہ کر کے گھوم گیا تھا۔

دونوں اندر چلے گئے۔ بوڑھا انھیں لے کر نشست گاہ میں پہنچا۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گئے تو حاتم علی نے شاہی فرمان اس کی طرف بڑھا دیا۔ بوڑھے نے سب سے پہلے شاہی مہر دیکھی اور پھر اُسے بوسہ دے کر فرمان پڑھنے لگا۔ شنکیاری زبان میں وہ فرمان حاتم علی نے لکھا تھا جس کی عبارت کچھ اس طرح سے تھی۔

”آج میں . . . جو شنکیاری کی جائز وارث ہوں، مجھے حق سے محروم کر دیا گیا ہے تم لوگ جنھوں نے ریاست کے وارثوں سے عمر بھر کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا خاموش ہو۔ میں تم لوگوں کو آواز دے رہی ہوں کہ آؤ اور اپنے حق کو چھین لو سے مجھے قید میں ڈالا جا چکا ہے۔ یہ تحریر ارسال ہے۔ تم لوگ جو ریاست کے وفادار ہو اس وقت غداری کر رہے ہو یہ جان لو کہ ہم سے دھوکا کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ایک اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے بیشتر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ آؤ اور حملہ کر کے مجھے آزاد کراؤ کہ یہی شنکیاری کی تاریخ ہے۔ ایک بار پھر زدبوگوگا اور فرمانروا گھوگ کی داستان دُہرائی جائے، کہ یہی وقت کا تقاضہ ہے۔“

”اوہ تو یہ کیا سب دھوکا ہے۔ حاجی بابا قوم کو کس طرح دھوکا دے سکتے ہیں؟“ بوڑھا حیرت سے بولا۔

”حاجی بابا بھی اس وقت مجبور ہیں۔ دراصل وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب شہزادی کے مشورے اور منصوبے کے مطابق کر رہے ہیں لیکن اس وقت ایک اجتماعی کوشش کی ضرورت ہے۔“

”آہ۔ آج پھر وہی وقت آ گیا“، بوڑھا رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”زدبوگوگا نے فرمانروا گھوگ کو حاجی بابا سے مل کر اغوا کر لیا تھا اور پھر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اُف۔ تاریخ خود کو دُہرا رہی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لیکن نوجوانو تم کیا چاہتے ہو، مجھے بتاؤ . . . ایک ایک آدمی ریاست اور اس کی وارث شہزادی دل بہار کے لیے خون کی ندیاں بہانے کو تیار ہے۔“

"آپ اپنے آدمیوں سمیت کل شام حاجی بابا کی قیام گاہ پہنچ جائیں۔ اس دوران کوشش کریں کہ خفیہ طور پر یہ فرمان آپ کے تمام آدمیوں تک پہنچ جائے۔ دس سے جنگ کا آغاز کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے میرے بچّے۔ جاؤ خدا تمھارا حامی اور نگہبان ہو۔" بوڑھے نے دعائیں دیتے ہوئے انھیں رخصت کیا اور حاتم علی رنجیدہ خاطر سا عمران کے ہمراہ باہر نکل آیا۔

باہر نکل کر وہ تیزی سے ایک طرف بڑھے۔ عمران نے جیب سے وہی نقشہ برآمد کیا اور پھر ایک مکان کے سامنے رک کر دستک دینے لگا...

سورج نکلتے نکلتے انھوں نے بستی کے تمام سرداروں سے رابطہ قائم کر لیا۔

عمران اور حاتم علی دونوں ہی تھکن اور نیند کے مارے نڈھال ہو رہے تھے لیکن ابھی تو انھیں خاصا فاصلہ طے کر کے واپس قلعے تک پہنچنا تھا۔ عمران کچھ زیادہ ہی پُرجوش تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ مخصوص چمک صاف دکھائی دے رہی تھی، جو کامیابی کے قریب پہنچ کر پیدا ہو جاتی تھی۔

حاتم علی خاموش اس کے ساتھ چلتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اس وقت سورج نکل آیا تھا اس لیے وادی میں دھند پھیل رہی تھی... وہ اس دھند کے پھیلنے سے پہلے ہی واپس قلعے میں پہنچ جانا چاہتے تھے۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد وہ قلعے میں پہنچ گئے۔

عمران کمرے میں داخل ہوا تو صفدر دروازے میں کھڑا تھا اس نے عمران اور حاتم علی کی حالت دیکھی تو چونک پڑا، پھر اس کی نگاہیں میز کی طرف مرکوز ہو گئیں جہاں دنیا جہان کے نقشے اور کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ ادھر عمران اور حاتم علی کی حالت چغلی کھا رہی تھی کہ وہ رات بھر جاگتے رہے ہیں، نہ صرف جاگتے رہے ہیں بلکہ انھوں نے کوئی زبردست مشقت بھی کی ہے۔ صفدر استفہامیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"لو بھائی تیار ہو جاؤ سوالنامۂ ابنِ طوفان کا پہلا سوال سننے کے لیے۔" عمران نے حاتم علی کو ٹہوکا دیا۔

حاتم علی مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور جاتے ہی مسہری پر گر گیا۔ صفدر نے جب محسوس کیا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی لب کشائی پر آمادہ نہیں تو اس کا منہ بن گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر عمران کو بازوؤں سے پکڑ کر پوری قوت سے جھنجھوڑ دیا۔

"کیا تکلیف ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"حاجی بابا۔" صفدر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کہاں؟" عمران چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا "حاجی بابا کو کیا ہوا؟"

"میرا مطلب ہے آپ اس کی طرف سے اتنے مطمئن کیوں نظر آ رہے ہیں جبکہ وہ اس مجرم گیبی پورٹر کا خاص آدمی معلوم ہوتا ہے۔" صفدر نے کہا۔

"تو تم نے پہچان لیا کہ وہ اصلی حاجی بابا نہیں ہے؟"

"جی ہاں۔ کیا اس نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا؟"

"ہاں۔" عمران منہ چلاتا ہوا بولا "وہ مجھے الگ لے جا کر بتا چکا ہے کہ وہ حاجی بابا نہیں ہے۔"

"... گویا میرا اندازہ درست ثابت ہوا... ہوں تو پھر وہ کون ہے؟"

"وہ ابھی اپنی شخصیت کو پردۂ زنگاری میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ دیکھا نہیں نقاب پہن رکھا تھا۔" عمران نے بائیں آنکھ دبائی اور مسکرانے لگا۔

"تب تو یقین کیجیے کہ اس بار وہ آپ کو چوٹ دے گیا ہے۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔" عمران سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں؟"

"اس برقعہ پوش کے فرمان کے مطابق وہ گیبی پورٹر کا ازلی دشمن ہے صرف اسی لیے اس نے حاجی بابا کا روپ دھار رکھا ہے۔ چونکہ وہ مرد ہوتے ہوئے بھی اس قدر پردے کا قائل ہے تو اس پر اعتماد کرنا ہی پڑا۔ تم تو جانتے ہی ہو آج کل عورتیں بغیر پردے کے گھومتی ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔"

"لیکن ان کی کہانی پر آپ نے اعتماد کیسے کر لیا؟"

"بتایا تو ابھی... پھر ایک وجہ اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میرا خیال ہے یہ کمرہ اس گفتگو کے لیے مناسب نہیں... ذرا اِدھر آؤ۔" عمران نے چونک کر کہا پھر ایسی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا جیسے شبہ ہو گیا ہو کہ کوئی ان کی گفتگو سن رہا ہے۔ صفدر پریشان ہو گیا۔ اس بات کا امکان بھی

تھا۔ ظاہر ہے کوئی بھی نادیدہ انسان ان کے پاس کھڑا مزے سے ساری باتیں سن سکتا تھا۔ لیبی پور ٹر نے واقعی حیرت انگیز سائنسی ترقی کی تھی۔

”کیا بات ہے... کوئی آہٹ محسوس ہوئی تھی؟“ صفدر نے سرگوشی کی۔

”شش... آؤ“ عمران نے اشارہ کیا اور دبے قدموں صفدر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ صفدر اس کے پیچھے تھا پھر دروازہ کھول کر وہ اندر گیا لیکن کمرے میں تنویر اور جولیا کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

صفدر نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں کہاں تھا... وہ تو نہ جانے کب کا دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں واپس جا چکا تھا۔

اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں لیکن اگلے ہی لمحے خفت کے آثار اس کے چہرے پر پھیل گئے۔ عمران نے اسے خوب چکمہ دیا تھا صفدر کو اس کے کمرے میں پہنچا کر اپنے کمرے میں گیا اور پھر دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔

عمران نے ایک طویل سانس لیا۔ اور راہداری میں چلنے لگا۔

راہداری نیم تاریک اور سنسان تھی۔ وہ خاموشی سے چل رہا تھا کہ ایک جگہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کے کانوں سے ایک مانوس آواز ٹکرا رہی تھی... لیکن یہ آواز... وہ چونک پڑا اور پھر تیزی سے چلتا ہوا اس دروازے کے قریب رک گیا جس کی دوسری جانب کوئی دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ٹرانسمیٹر پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے! کون ہو سکتا ہے؟ وہ بڑبڑایا۔

اس وقت وہ قلعے کے اس حصے میں گھوم رہا تھا جہاں ملازمین کے لیے کمرے مخصوص تھے۔ سوائے چند ملازمین کے دل بہار نے باقی تمام ملازمین کو رخصت کر دیا تھا حالات ناگفتہ بہ تھے اس لیے وہ اپنے گرد زیادہ جھمیلا نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ گنتی کے ان ملازمین میں سے ایسا کون تھا جو ٹرانسمیٹر پر گفتگو کر سکتا تھا۔

عمران کے تمام ساتھی اپنے اپنے کمروں میں تھے اور وہ وہیں سے اٹھ کر آ رہا تھا۔ نرگس بھی وہیں تھی البتہ اعجازی کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ وہ کمرۂ طعام سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور گھمبے مئے کی اجازت لے کر تقریباً پانچ بجے ہی قلعے سے رخصت ہو گیا تھا شکیاری سردار بھی اسی وقت رخصت ہو گئے تھے۔ پھر یہ کون ہو سکتا تھا؟ عمران سوچنے لگا۔

اس نے دروازے سے کان لگایا اور سننے کی کوشش کی کوئی نہایت مدھم آواز میں کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن شاید مطلوبہ آدمی سے رابطہ قائم نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ بار بار کچھ کہتا لیکن نام سمجھ میں نہیں آتا تھا کالنگ کا لفظ ہی بار بار عمران کی سماعت سے ٹکرا رہا تھا۔

عمران نے دروازے کو دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دروازے کا جائزہ لیا تو ایک جگہ گول سوراخ دکھائی دیا۔ شاہ بلوط کے اس مضبوط دروازے میں یہ سوراخ نہ جانے کس طرح ہو گیا تھا۔ وہاں سے لکڑی کی کوئی گانٹھ نکل گئی تھی یا کسی مصلحت کے تحت اسے بطورِ خاص بنایا گیا تھا اس نے سوراخ سے آنکھ ٹکا دی۔

کمرے میں ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ قلعے میں صرف چند مخصوص کمروں ہی میں برقی نظام کارفرما تھا دیگر تمام حصوں میں تیل کے لیمپ یا چراغ جلتے تھے... ملازمین کو بجلی کی سپلائی نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ ان کمروں سے دور قلعے کے انتہائی آخری حصے میں واقع تھے۔ وائرنگ کی پریشانی یا جنریٹر کی کمزوری کے باعث ان حصوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

نیم روشن کمرے میں سامان بہت ہی کم تھا اور کمرے کی حالت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اسے کئی دنوں سے استعمال نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی صفائی ستھرائی کی طرف دھیان دیا گیا ہے۔ سوراخ سے ایک مخصوص قسم کی بو محسوس ہو رہی تھی جو سیلن اور تیل کی ملی جلی بو تھی۔

تیز سرگوشیوں سے مشابہ وہ آوازیں اس وقت بھی سنائی دے رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ شخص رابطہ قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کالنگ کی آواز قدرے تیز تھی، اس لیے صاف سنائی دیتی تھی۔ عمران نے کمرے کے اس حصے کی جانب دیکھنا شروع کر دیا جہاں ایک سیاہ ہیولا سا دکھائی دے رہا تھا۔

ہیولا چراغ کی روشنی میں بڑا ہی پراسرار اور بھیانک محسوس ہو رہا تھا۔ عمران بڑی توجہ سے اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن اسے پہچان نہ سکا۔ وہ حیران تھا کہ یہ کون شخص ہے اگر

باہر کا آدمی ہے تو اندر گھسا کیا کر رہا ہے۔ وہ واپس جا کر اطمینان سے اپنی رپورٹ دے سکتا تھا۔ پھر طوفان کے بیٹے کے تمام کارکن نگاہوں سے پوشیدہ رہتے تھے، ایک شخص نے اس رعایت سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟

یکے بعد دیگرے بہت سے سوالات عمران کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر اس سلسلے کو منقطع کیا اور دروازے کی ساخت کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے جیب سے محدود روشنی کے دائرے والی ٹارچ نکالی اور کی ہول کو دیکھا۔ کی ہول دیکھ کر اس کے ہونٹ بے آواز سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔

جیب ٹٹول کر اس نے ایک سخت تار نکالا اور کی ہول پر جھک گیا۔ یہ تار ایسے مواقع کے لیے کہیں نہ کہیں اس کے لباس میں موجود ہی رہتا تھا۔۔۔ چند منٹ میں ہی اس نے وہ لاک کھول لیا، پھر دروازے کو تھوڑا سا دھکیلا۔ دروازہ ذرا سا کھل گیا۔ کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی۔ عمران نے جھری سے آنکھ لگائی۔ وہ پُراسرار ہیولا گرد و پیش سے بے نیاز دروازے کی جانب پشت کیے ٹرانسمیٹر پر جھکا ہوا تھا۔ عمران نے دروازہ کچھ اور کھولا پھر کمرے میں رینگ گیا۔ دروازہ بند کر کے وہ بے آواز قدموں سے آگے بڑھا۔

سیاہ ہیولا اس وقت بھی سلسلہ ملانے میں مصروف تھا۔۔۔ عمران اس کی پشت پر پہنچ کر رک گیا۔ اب وہ اس شخص کو بہ آسانی پہچان سکتا تھا۔ لیکن اس انکشاف سے اس کا پورا بدن کانپ اٹھا۔ اُسے کم از کم اس شخص سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔

اس دوران اس کا ہاتھ رینگ کر جیب میں جا چکا تھا۔ ریوالور نکال کر اس نے دائیں ہاتھ میں لے لیا۔ وہ سیاہ ہیولے کو گھورتا رہا جو اس کی موجودگی سے بے خبر ٹرانسمیٹر پر سرگوشیاں کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے بعد جیسے ہی دوسری طرف سے کسی کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ عمران کا ہاتھ بلند ہونے لگا۔

قدرے توقف کے بعد جب سارے حالات اس کے ذہن میں واضح ہو گئے تو ریوالور والا ہاتھ گرا اور اس شخص کی کھوپڑی کے عقبی حصے سے کسی ہتھوڑے کی طرح ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے ہاتھ سے اس نے ہیولے کا منہ سختی سے دبا لیا۔ وہ بے آواز اس کے بازوؤں میں جھول گیا

چند ہی لمحوں بعد عمران اس شخص کے لہجے میں ٹرانسمیٹر پر گفتگو کر رہا تھا۔ اور وہ شخص اس کے قریب ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر فرش پر پڑا ہوا تھا۔ چند لمحے گفتگو کرنے کے بعد عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا اور اس شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بے ہوش تھا اور عمران کے اندازے کے مطابق وہ کسی طرح بھی چار گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے ٹائی اتاری اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے میں مشغول ہو گیا۔ اُسے باندھ کر عمران اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے کی چابی وہ اس شخص کے لبادے سے نکال ہی لایا تھا اس لیے دروازہ لاک کرنے میں کسی قسم کی دُشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

○

رات کی تاریکی نے ماحول کو سیاہ لبادے میں لپیٹ رکھا تھا۔ دور برفانی چوٹیاں اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں اور کبھی کبھی بجلی چمکنے سے یوں دکھائی دیتی تھیں جیسے کوئی مردہ رُخ سفید لحاف سے چہرہ نکال کر جھانک رہی ہو۔۔۔ اونچے نیچے درختوں پر رات کا بسیرا تھا۔۔۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور یخ بستہ ہواؤں کے جھکڑ سیٹیاں بجاتے ہوئے اِدھر سے اُدھر چکرا رہے تھے۔

حاجی بابا کی قیام گاہ تک پہنچنے والے راستوں پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ لوگ جوق در جوق ریاست سے اس حصے کی طرف آ رہے تھے۔ انھوں نے بھاری اونی کمبل اوڑھ رکھے تھے، جن کے نیچے سے رائفلوں کی نالیں جھانک رہی تھیں۔

شنگیاریوں کی آمد کا سلسلہ نصف رات تک جاری رہا۔ حاجی بابا کی قیام گاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد ٹھٹھرتے ہوئے دو سائے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ ان میں ایک جولیا اور دوسرا صفدر تھا۔ انھوں نے مقامی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اونی کمبل ان کے جسموں سے چپکے ہوئے تھے۔ عمران نے اپنے تمام ساتھیوں کو بحیثیت ایکسٹو یہ حکم دیا تھا کہ وہ عمران کی قیادت میں کام کریں گے اور اس سے کسی بات پر اختلاف کرنے یا اس سے الجھنے کی جسارت کرنے والے کو انتہائی بھیانک اور عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ دفعتاً ہجوم میں سے کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ کچھ لوگوں نے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر چیخنا شروع کر دیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ان کے صبر کے پیمانے لبریز ہو گئے ہوں اور وہ ایک پل

بھی وہاں رُکنا نہ چاہتے ہوں۔ ان کی چیخوں سے جوش اور ولولے کا احساس ہوتا تھا۔

عمران اور حاتم علی ایک ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں سے مجمعے کا ہر آدمی انھیں بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ انھوں نے اپنے قریب ایک ایسا لیمپ روشن کر رکھا تھا جس کی روشنی محدود تھی۔ دور سے اس لیمپ کا سراغ لگانا محال تھا عمران نے حاتم علی کو اشارہ کیا۔ وہ مجمعے کی طرف مُنہ کر کے بلند آواز میں بولنے لگا۔ شنکیاریوں نے اسے مخاطب دیکھا تو خاموش ہو گئے۔

حاتم علی مقامی زبان میں بڑی روانی سے کہہ رہا تھا۔

"تم لوگ شنکیاری اسٹیٹ کے باشندے ہو۔ یہ تمھارا علاقہ ہے اس علاقے کے ایک ایک اِنچ پر صرف تمھارا حق ہے۔ یہ تمھارے بزرگوں کی امانت ہے جو تھوڑے ہی وقفے کے بعد تمھیں اپنی آنے والی نسلوں کو منتقل کرنی ہے۔ شہزادی دل بہار اس ریاست کی مالکہ ہے۔ تم سب نے اس کے آبا و اجداد سے ہمیشہ وفادار رہنے کا عہد کیا تھا۔ درمیان میں کچھ شرپسندوں نے تمھیں ورغلایا اور اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنا لیا۔ اس وقت تم سب اس غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے جمع ہوئے ہو۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم لوگ تاریخ میں ایک فقید المثال کارنامے کا اندراج کرو گے اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے درسِ عبرت چھوڑ جاؤ گے۔ اس ریاست کے جری اور دلیر جوان چٹانوں کی سی قوتِ ارادی کے مالک ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے بڑے سے بڑے طوفان کا جس جوانمردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا وہ انھی کا حصہ تھا۔ ریاست کا ذرّہ ذرّہ ان کی دلیری اور حوصلہ مندی کا مدح سرا ہے۔ اس وقت تمھارے سامنے ایک بہت بڑا طوفان ہے۔ ایک ایسا طوفان جس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو وہ سب کو خس اور خاشاک کی مانند بہا لے جائے گا اور شنکیاری کا نام و نشان تک صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔ شنکیاری کے جیالو... یہ وقت ایک آزمائش کی گھڑی ہے۔ اس پر پورے اترو گے تو آئندہ نسلیں تمھارے گُن گائیں گی اور تم پر بجا طور پر فخر کر سکیں گی۔ تمھارے کارناموں کو مشعلِ راہ بنائیں گی، اور کبھی تاریخ کو دُہرانے کا وقت آیا تو وہ تمھاری طرح ہر مصیبت کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گی۔

کیا تم لوگ اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے سر پر کفن باندھ کر آئے ہو۔ کیا تم سب تیار ہو؟"

مجمع بُری طرح چیخ پڑا... آس پاس کی چٹانیں کانپ اٹھیں۔ ذرّہ ذرّہ لرزہ براندام ہو گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ پُرجوش جیالے گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے کہ وہ راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ ہم سب تیار ہیں۔ ہم سب بے چین ہیں۔ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ اب کس کا انتظار ہے۔ آگے بڑھو۔ جلدی کرو۔ غرضیکہ بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں لیکن ان سب کا لِس ایک ہی مطلب تھا، صرف یہ کہ وہ جان ہتھیلی پر لے کر آئے ہیں۔ خود مٹ جائیں گے یا تخریبی ہاتھوں کو ہمیشہ کے لیے کاٹ دیں گے تاکہ وہ دوبارہ اُدھر کا رُخ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

"میرا تو خیال ہے یہ کھُلی ہوئی حماقت ہے۔" تنویر غرّایا۔ وہ عین اسی وقت عمران کے عقب میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" عمران سرد لہجے میں بولا۔ شام ہی سے اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا اور وہ خلافِ عادت بات بے بات کاٹنے دوڑتا تھا۔ ممکن ہے، وہ کسی نئی عادت کو اپنانے کے چکر میں رہا ہو، کم از کم حاتم علی کا تو یہی خیال تھا۔

"ان سب کو یہاں جمع کر کے اس قدر شور مچانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم کیا سمجھتے ہو؟ میں کسی فلم کی شوٹنگ کرنے جا رہا ہوں!"

"اس طرح مجرموں کو خبر بھی ہو سکتی ہے۔ کیا خاموشی سے ان کو جا لینا عقلمندی نہیں ہے؟"

"یہ لوگ اس بات کے عادی نہیں ہیں۔ اس ہنگامہ خیزی سے ان کا قومی شعور اور جذبۂ حب الوطنی بیدار ہو رہا ہے۔ کل کلاں کوئی نئی افتاد پڑی تو مجھے یا تمھیں بلانے نہیں

دوڑے آئیں گے" عمران نے غرا کر کہا اور تنویر خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے عمران سے باتوں میں جیتنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

"لیکن عمران صاحب۔ وہ حاجی بابا غائب ہیں" حاتم علی نے کہا۔

"ممکن ہے حج کا خیال آ گیا ہو اور وہ اُدھر سدھار گئے ہوں"

"میں بہت سنجیدہ ہوں عمران صاحب" حاتم علی نے عجیب سے لہجے میں کہا اور عمران اس کے لہجے میں چھپی ہوئی درندگی کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"ٹھیک ہے، انتظار کرو۔ ابھی کچھ دیر میں حاجی بابا کا کوئی آدمی آتا ہی ہو گا" عمران نے کہا اور اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔ جو لوگوں کو اِدھر اُدھر دھکیلتا ہوا اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے قریب آ کر شنکیاری میں کچھ کہا اور جواب طلب نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا فرما رہے ہیں بڑے بھائی؟" عمران بوکھلا کر بولا۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ اسے حاجی بابا نے بھیجا ہے"

"اچھا... خود کتنے حج کر چکا ہے۔ ذرا دریافت کرنا تو"

حاتم علی خاموش رہا... پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

"یہ سب لوگ مسلح ہیں؟"

"ہاں" عمران نے منہ چلاتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی تاریخی جنگ لڑی جانے والی ہو" جولیا نے کہا وہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہجوم کی طرف دیکھ رہی تھی... کبھی کبھی بجلی چمکتی تو لوگوں کا ہجوم دکھائی دیتا تھا... حاجی بابا کی قیام گاہ کے آس پاس کا تمام میدانی علاقہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔

"کیا فرمایا آپ نے؟" عمران چونک کر بولا۔

"یہی کہ کسی قدیم جنگ کا سا منظر ہے... یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی تاریخی جنگ ہونے والی ہو"

"تو تمہارا کیا خیال یہ جغرافیائی جنگ ہے" عمران نے قہقہہ لگا کر کہا "ہاں یہ ایک تاریخی جنگ ہو گی... تاریخ داں اس خونچکاں باب کو خون کی سُرخی سے لکھیں گے" عمران کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس کے اندر کا وہ عمران بیدار ہو گیا ہے جس کی درندگی اور جارحیت کا مجرموں کو اچھی طرح سے اندازہ تھا۔ گویا شکرال کا عمران ایک بار پھر انگڑائیاں لیتا ہوا بیدار ہو رہا تھا۔ جولیا سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ عمران نے ان لوگوں کو دو گروہوں میں ترتیب دیا اور دو گھنٹے کی مشقت کے بعد وہ ان لوگوں کو ڈسپلن کے تحت ایک ایک سردار کی قیادت میں تقسیم کر کے فارغ ہوا اور حاجی بابا کے آدمی کی رہنمائی میں ایک سُرنگ میں بڑھنے لگا۔

ہجوم پر موت کا سناٹا چھا گیا تھا۔ البتہ ان کے قدموں کی دھمک سے چٹانوں کے سینے لرزہ براندام تھے... یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دھرتی کا سینہ شق ہو جائے گا۔ بپھرے ہوئے لوگوں کا سیلِ رواں آگے بڑھ رہا تھا۔ سب سے آگے راہبر تھا۔ اس کے عقب میں عمران اور حاتم علی دُور مار رائفلوں سے مسلح اور پھر ان کے دیگر ساتھی۔ نرگس اور اعجازی کو وہ محل میں ہی چھوڑ آئے تھے۔

نرگس نے اس مہم میں شمولیت پر بہت ضد کی لیکن عمران اُسے سمجھانے بجھانے میں کامیاب ہو گیا۔

شنکیاری نوجوانوں کے گروہ ان سے کچھ فاصلے پر تھے۔ وہ اپنے سرداروں کی قیادت میں بڑھ رہے تھے چٹانی راستوں کو عبور کرتے ہوئے، اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے وہ آگے بڑھتے رہے۔ عمران نے روشنی کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی تھی۔

اس وقت وہ ایسے علاقے سے گزر رہے تھے جہاں سے وہ صاف دکھائی دے سکتے تھے۔ روشنی دُور پہاڑوں کی چوٹیوں تلے چھپے ہوئے دشمنوں کو ان کی موجودگی کا احساس دلا سکتی تھی، پھر ایک آدھ ٹارچ روشن کرنے سے رات کی سیاہی تو چھٹ نہیں سکتی تھی۔

حاجی بابا کا بھیجا ہوا آدمی عمران کے خیال کے مطابق بچپن میں کسی اُلو کا رفیق تھا۔ وہ یوں آگے بڑھ رہا تھا جیسے کسی میدانی علاقے میں اور روزِ روشن میں سفر کر رہا ہو۔ عمران اور اس کے ساتھی اس قسم کی مہمات کے عادی تھے۔ باقی رہے شنکیاری، تو اس علاقے کا چپہ چپہ ان کے ذہن میں محفوظ تھا۔

نصف گھنٹے تک چلنے کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے۔ جہاں تاحدِ نظر تاریک پہاڑوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ ہوا تیروں کی طرح تیز اور ٹھنڈی تھی۔ وہ اُونچی نیچی پہاڑیوں پر سنگلاخ راستوں سے گزر رہے تھے بل کھاتے ہوئے غیر ہموار راستوں کو اپنے قدموں سے روند رہے تھے۔

کہیں کہیں ایسے دشوار گزار راستے بھی آتے جن کے دونوں طرف گہرے گہرے کھڈ تھے اور کبھی کبھی وہ کسی درّے سے بھی گزر

جاتے تھے۔ شنکیاری کا سیلِ رواں ہر ممکن تیز رفتاری سے ان پہاڑوں کی طرف بڑھ رہا تھا جس کی فلک بوس چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی۔

وہ جس قدر آگے بڑھتے گئے راستہ دشوار ہوتا چلا گیا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ سردی شباب پر تھی۔ ہاتھ پاؤں ٹھٹھر رہے تھے لیکن اس ہجوم میں، اس لشکرِ جرار میں ایک بھی فرد موسمی کیفیت سے متاثر نہیں تھا۔ ان کا ہر قدم ایک نئے عزم کے ساتھ اُٹھ رہا تھا، اور ہر قدم پر ان کے حوصلوں میں ایک پختگی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

سپیدۂ سحر نمودار ہونے میں ابھی دیر تھی۔ وہ لوگ فلک بوس پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں پہنچ گئے۔ سردی بلا کی تھی۔ تھکن سے نڈھال لیکن دلوں میں آگے بڑھ کر پہاڑوں سے ٹکرا جانے کا عزم لیے وہ بڑھتے رہے۔ یہ جگہ منظر کے لحاظ سے بڑی ہی خوفناک تھی۔

حاجی بابا کا آدمی انھیں لیے آگے بڑھتا رہا... اس وادی کے اختتام سے وہ علاقہ شروع ہوتا تھا جہاں ان دنوں طوفان کے بیٹے نے اپنی کمین گاہ بنا رکھی تھی۔ وہ اس سُرنگ تک پہنچ گئے جس سے گزر کر انھیں پہاڑوں میں داخل ہونا تھا اور پھر پہاڑوں میں بنے ہوئے اس خفیہ اڈے تک رسائی حاصل کرنی تھی جہاں طوفان کا بیٹا اپنی تمام تر مجرمانہ اور سنگدلانہ سرگرمیوں سمیت چھپا، شنکیاری اسٹیٹ پر دانت جمائے بیٹھا تھا۔

بادل ابھی تک چھائے ہوئے تھے بادلوں کی وجہ سے اور کچھ فلک بوس پہاڑوں کے پاتال میں ہونے کے سبب، وہ مکمل تاریکی میں تھے اس لیے یہ خدشہ نہیں تھا کہ کوئی انھیں دیکھے گا۔ اس حصے میں پہنچ کر عمران نے حاتم علی سے کہا کہ ان لوگوں کو نعرہ زنی سے باز رکھے اور ہدایت کر دے کہ ذرا سی آواز پیدا ہونے نہ پائے کیونکہ اس حصے سے بلند ہونے والی آواز کی بازگشت اس حصے تک پہنچ سکتی تھی، جہاں سے مجرم ان کی موجودگی سے آگاہ ہو سکتا تھا۔

دفعتاً ایک عجیب بات ہوئی کہ پوری وادی اچانک تیز روشنی میں نہا گئی۔ عمران اور اس کے ساتھی چونک پڑے۔ کئی آدمیوں کے حلق سے اضطراری چیخیں نکلیں۔

یوں محسوس ہوا تھا گویا اس وادی میں سورج اُتر آیا ہو وادی کا ذرہ ذرہ منور ہو گیا۔ عمران اور اس کے تمام ساتھی بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ عمران بھی اس غیر متوقع صورتِ حال کے لیے تیار نہیں تھا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ روشنی کا کوئی منبع دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے فضا سے روشنی از خود پھوٹ نکلی ہو۔

اس کے بعد چاروں طرف سے چند طویل القامت دیو نما آہنی ڈھانچے اُڑتے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔ عمران نے فوراً ہی ایک عجیب سی ساخت کا ریوالور نکالا۔ عمران کے اس ریوالور سے نیلگوں شعاع نکل کر ایک آہنی ڈھانچے پر پڑی تھی ایک کان پھاڑ دھماکا ہوا۔ پھر اس کے چیتھڑے اُڑ گئے۔

سیدھے سادے لیکن جری شنکیاریوں نے جب اس روبوٹ کے چیتھڑے اُڑتے دیکھے تو مارے خوشی کے اُچھل پڑے۔ نعرہ ہائے مسرت سے پوری وادی گونج اٹھی۔ عمران نے بڑی پھرتی سے دائیں بائیں فائر کرنے کا عمل جاری رکھا۔ اس کا ریوالور بار بار نیلگوں زبان نکالتا تو دھماکے کے ساتھ روبوٹ کے پُرزے ہوا میں بکھر جاتے۔ ایک روبوٹ جو عقبی حصے سے شنکیاریوں کے پیچھے جا اُترا تھا، اس نے کہرام برپا کر دیا۔

عمران کی نگاہ بس دفعتاً ہی اس طرف اُٹھ گئی تھی، ورنہ لوگوں کی چیخ پکار سے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ وہ خوش ہو کر نعرے لگا رہے ہیں۔ اس نے ریوالور کا رُخ اُدھر کیا لیکن اگلے ہی لمحے اس کا ہاتھ رک گیا۔ روبوٹ نیچے اتر چکا تھا اور اب جارحانہ انداز میں مجمعے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایسے میں اگر عمران فائر کرتا تو متعدد افراد ریوالور کی تباہ کاری کا نشانہ بن جاتے۔ اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر پھرتی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح فضا میں اچھلا اور جمناسٹک کے کسی ماہر کی طرح خاصا اوپر اُٹھ گیا۔ اس دوران اس نے حواس اچھی طرح بیدار رکھے تھے جب وہ ایسے زاویے پر پہنچا کہ جہاں سے اس آہنی دیو کو نشانہ بنا سکے تو اس نے بلاتوقف ٹریگر دبا دیا۔

نیلگوں زبان نکلی اور اس کے ساتھ ہی ایک کان پھاڑ دھماکا ہوا روبوٹ کے پرزے اڑ گئے اور اس کے ساتھ ہی اس آدمی کے بھی جسے اس نے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا تھا۔ ایک آدمی کی زندگی قربان کر کے انھوں نے دشمن کے چھ روبوٹ پہلے

ہی بلے میں ٹھکانے لگادیے تھے۔
ان روبوٹس کے ختم ہوتے ہی خاموشی چھا گئی۔
روشنی بدستور وادی کے ذرّے ذرّے کو منوّر کر رہی تھی۔
"یہ سب کیا تھا عمران صاحب"؟ حاتم علی نے پوچھا
"لوہے کے شیطان۔ بعرفِ عام میں جنھیں روبوٹ کہا جاتا ہے"۔
"وہ تو میں بھی دیکھ چکا ہوں۔ لیکن یکایک یہ کہاں سے ٹپک پڑے۔ کیا حاجی بابا نے ان کے بارے میں نہیں بتایا تھا"، حاتم علی نے پوچھا۔
"حاجی بابا"، عمران بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔
"کیا اب بھی آپ اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟" صفدر نے استفسار کیا۔ "آخر اس نے ہمیں لاعلم کیوں رکھا"؟
"خاموش رہو۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں کوئی خود کار حفاظتی نظام ہے جسے صرف رات کے وقت ہی چلایا جاتا ہے، ذرا تم لوگ خاموش رہو۔ چہروں سے سراسیمگی نہ ظاہر ہونے دو۔ اگر سب لوگ حوصلہ چھوڑ گئے تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا"۔
عمران کھوپڑی کا عقبی حصہ ٹٹولتا ہوا ادھر اُدھر گھومنے لگا، پھر جولیا کے قریب جا کھڑا ہوا۔ جولیا اس وقت ایک ہموار جگہ کھڑی تھی۔ عمران نے اُسے اشارے سے نیچے اترنے کے لیے کہا وہ حیرت سے پلکیں جھپکاتی ہوئی ایک طرف ہٹ گئی۔
اس جگہ سے ہٹتے ہی وادی پر یکدم اندھیرے کی گہری چادر مسلط ہو گئی۔ روشنی کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اندھیرا ہوتے ہی مجمع بے چینی کا شکار ہو گیا۔ کچھ نے سراسیمہ آوازیں نکالیں۔
عمران خاموشی سے اس جگہ جا کھڑا ہوا جہاں سے جولیا ابھی ابھی ہٹی تھی۔ وادی میں ایک بار پھر روشنی پھیل گئی اتنی تیز روشنی کہ وادی کا کونہ کونہ بقعۂ نور محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا اتر آیا۔
"میرا خیال ہے یہ ایک خودکار نظام ہے۔ یہ جگہ عین اس جگہ واقع ہے جہاں سے گزر کر ہمیں سُرنگ میں داخل ہونا تھا اور یہ نظام صرف رات کے وقت ہی استعمال ہوتا ہو گا۔ مجھے یقین ہے اس حفاظتی نظام کا سلسلہ کسی اسکرین سے ہے اور روشنی میں اس وادی کا ذرہ ذرہ اس پر دکھائی دیتا ہو گا۔ یہ چھ روبوٹ رات کے وقت ہی کام کرتے ہیں کیونکہ حاجی بابا کو رات کے اس پہر کبھی اس طرف آنے کا اتفاق نہیں ہوا

تھا اس لیے انھیں اس نظام کا علم نہیں ہو سکا۔ آؤ اس شخص سے دریافت کرتے ہیں"، عمران بولا۔ پھر اس نے حاتم علی کی ترجمانی میں حاجی بابا کے نمائندے سے بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ اس نظام سے بے خبر تھے۔ حاجی بابا کے حمایتیوں کو اس نظام کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔
عمران خاموش رہا۔ گائیڈ کے کہنے کے مطابق وہ سب دن کے وقت ہی زیادہ تر اس طرف آتے جاتے تھے اور یقیناً یہ نظام نصف رات کے بعد ہی آن کیا جاتا ہو گا۔ عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہمیں جلد ہی کرنی چاہیے"، عمران نے گائیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ٹارچ روشن کر لی۔ گائیڈ نے سرنگ کے دہانے کے خود کار نظام کے اسٹارٹر کو چھیڑا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔
چند ہی لمحوں میں غار کا دہانہ کھل گیا۔ عمران نے روشنی اندر ڈالی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ایک بہت بڑا اژدہا منہ پھاڑے ان کے سامنے کھڑا ہو۔
وہ آگے بڑھ گئے۔ غار میں داخل ہوتے ہی کئی اور ٹارچیں بھی روشن ہو گئیں۔ عمران نے اب احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہر ممکن تیز رفتاری سے آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس تھوڑے سے وقفے میں طوفان کے بیٹے پر حملہ آور نہ ہو گئے تو مزید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ ہلکے پھلکے اسلحے سے لیس تھے۔ صرف عمران کے پاس او میگا ریز کی گن تھی۔
اس کے مقابلے میں دشمن جدید ترین سائنسی اسلحے سے لیس تھا اور پلک جھپکتے میں ان کا صفایا کر سکتا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے انھیں جن روبوٹوں سے پالا پڑا تھا وہ اس کی ادنیٰ سی مثال تھی۔
شاید مجرم اپنے اس حفاظتی نظام سے بہت زیادہ مطمئن تھے اسی لیے ابھی تک مزید کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا ورنہ کچھ عجب نہ تھا کہ وہ فوراً ہی کسی دوسری پریشانی اور مزاحمت سے دوچار ہوتے۔
عمران اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے شنکیاری رہبر سے کئی سوالات کیے تھے جن کے اس نے تسلی بخش جوابات دیے۔ دفعتاً وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ رہبر بھی بری طرح چونک پڑا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے

دائیں ہاتھ والی سرنگ کی دیوار کو دیکھ رہا تھا جس میں ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی۔



"آگے خطرہ ہے۔ یہیں رک جاؤ۔" اندھیرے میں تیز سرگوشی گونجی اور سب کی نگاہیں اس جانب اٹھ گئیں۔ سرنگ کی دائیں دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا تھا جس میں ایک سیاہ پوش ہاتھ میں ٹامی گن لیے کھڑا تھا۔ آواز سن کر سب ہی سمجھ گئے کہ وہ حاجی بابا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

عمران کی نگاہ ایک بار پھر سامنے اٹھ گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے غار انگاروں سے بھرا ہوا ہو یا پھر سرنگ میں کہکشاں اتر آئی ہو۔ وہ ننھے ننھے سنگریزے اندھیرے میں انگاروں کی طرح دہک رہے تھے اور ان کے سامنے انگاروں کا گویا ایک کھیت تھا۔ ایسے انگارے جو انھیں بھسم کرنے کے منتظر تھے۔

"آج رات میری ڈیوٹی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان ریوالوروں کے بارے میں لاعلم تھا۔ تم لوگوں کو زیادہ جانی نقصان تو نہیں اٹھانا پڑا؟" حاجی بابا نے دریافت کیا۔

"نہیں، صرف ایک آدمی اس حادثے کا شکار ہوا ہے۔"

"اوہ تم حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔" سرگوشی میں خوشی کا عنصر تھا۔ "مجھے تم سے اس قدر پھرتی کی توقع نہیں تھی۔" وہ عمران کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"دراصل میں بچپن میں لٹو گھمانے کا عادی تھا۔" عمران نے بوکھلا کر جواب دیا۔

سرنگ میں حاجی بابا کا دبا دبا سا قہقہہ گونج اٹھا۔

"بہرحال۔ اب میں تم لوگوں کو گرفتار کر لوں گا۔ کیا خیال ہے؟" اس نے معنی خیز لہجے میں عمران سے کہا اور عمران کے ساتھیوں کے ہاتھ فوراً ہی ریوالوروں کی طرف بڑھے لیکن عمران کو مطمئن دیکھ کر انھوں نے ریوالور نکالنے یا فائر کرنے کی حماقت نہیں کی۔

"میں سمجھ گیا۔ تم بخوشی ہمیں گرفتار کر کے طوفان کے بیٹے کے حضور لے جا سکتے ہو۔" عمران نے آمادگی کا اظہار کیا تو سب چونک پڑے۔

"تو پھر ٹھیک ہے آؤ۔ میرے آگے آگے چلو۔ ان لوگوں کو یہیں سرنگ میں ہی قید کر دیتے ہیں۔" حاجی بابا نے کہا اور وہ لوگ خلا میں داخل ہو گئے۔

شنکیاریوں کا لشکر اسی سرنگ میں قید کر دیا گیا۔

ان لوگوں کو عمران کی ہدایت پر حاتم علی نے سمجھا دیا تھا کہ اب منصوبہ بدل گیا ہے اس لیے انھیں اس سرنگ میں ہی انتظار کرنا پڑے گا۔ شنکیاریوں نے بے چینی کا اظہار کیا لیکن حاتم علی وہاں نہیں رکا۔ وہ تیزی سے خلا میں داخل ہوا اور سرنگ کا دہانہ بند ہو گیا۔ وہ لوگ خاموشی سے آگے بڑھ رہے تھے۔

حاجی بابا نے ان سب کو ٹامی گنوں سے کور کر رکھا تھا۔ عمران کی جیب میں اومیگا ریز کا ریوالور تھا اور باقی لوگوں کے پاس بھی ریوالور ہی تھے۔ رائفلیں وہیں سرنگ میں چھوڑ دی گئی تھیں۔ دیکھنے میں یوں لگتا تھا جیسے وہ سب واقعی قیدی بنا لیے گئے ہوں۔

مختلف کمروں سے گزر کر وہ سب ایک جگہ پہنچ گئے اور اور پھر جیسے ہی سیاہ پوش انھیں لے کر اس کمرے میں داخل ہوا ایک عجیب سا چھناکا ہوا اور کسی کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں جناب۔" سیاہ پوش نے کہا۔ "میں نے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ یہ لوگ شنکیاریوں کے لشکر کے ساتھ یہاں حملہ کرنے آئے تھے میں نے انھیں پکڑ لیا ہے۔"

"اوہ۔ بہت خوب تم نے واقعی ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" بھرائی ہوئی آواز میں خوشی کا عنصر شامل تھا۔ "ان سب کو لے کر قید خانے کی طرف چلو میں وہیں آتا ہوں۔"

"بہت اچھا جناب۔" سیاہ پوش نے ٹامی گن ان کی طرف کر کے درشتی سے کہا۔ "چلو تم لوگ ادھر منہ کر کے آگے بڑھو۔"

"ٹھہرو۔ ان کو اندر لے آؤ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں یہ کون لوگ ہیں جنھوں نے طوفان کے بیٹے پر حملہ کرنے کی جرأت کی ہے۔" بھرائی ہوئی آواز نے کہا اور ان کے اٹھتے ہوئے قدم رک گئے۔ یکایک دروازہ کھلا۔ سامنے ایک زرد رنگ کا کمرہ تھا۔ جس میں نیلے رنگ کا بلب جل رہا تھا۔ کمرے میں ایک جانب عجیب سا شیشے کا پارٹیشن تھا۔ اس پارٹیشن میں روشنی کے جھماکے ہو رہے تھے۔ سب لوگ اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ دفعتاً روشنی کے ان جھماکوں میں ایک دیو کا ہیولا لہرانے لگا۔ عمران جھک جھک کر فرشی سلام کرنے لگا۔ سیاہ پوش نے اس کی طرف دیکھا اور پھر غرایا۔ "سیدھے کھڑے رہو۔ طوفان کا بیٹا تشریف لا رہا ہے۔ کسی قسم کی

گستاخی کی تو چھلنی کر دوں گا۔"

"ہائے۔ آٹا تو ملتا نہیں چھلنیاں بناتے جاؤ۔" عمران کراہا۔

"خاموش رہو۔" سیاہ پوش ایک بار پھر دہاڑا اور عمران منہ بنا کر رہ گیا۔

"شاباش۔ تو یہ لوگ شنکیاری نہیں ہیں۔" اس دھوئیں کے ہیولے نے انسانی شکل اختیار کرنے کے بعد کہا۔ عمران ایک بار پھر فرشی سلاموں کا سلسلہ شروع کر چکا تھا۔

"یہ سب آپ کی تربیت اور نگاہِ کرم کا نتیجہ ہے جناب۔" سیاہ پوش نے انکسار سے کہا۔

"گڈ۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ تم نے خود کو ہمارے لطف و کرم کا اہل ثابت کیا۔ ہم تمھیں ایسی نعمتوں سے نوازیں گے کہ تمھاری روح تک خوش ہو جائے گی۔"

"مم۔ مجھے بھی کچھ ملے گا جناب۔" عمران کپکپاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مم.. میں نے بلا مقابلہ ہتھیار ڈال دیے تھے۔ یہ خاتون گواہ ہے۔" عمران نے سیاہ پوش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عمران کی آواز سنتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے اس دھوئیں کے انسان کو شدید جھٹکا لگا ہو۔ اس کی آنکھیں دہکتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ چند لمحے وہ خاموش رہا پھر کمرے میں بتدریج بلند ہوتا ہوا ایک قہقہہ گونج اٹھا۔

"اوہ! تو یہ تم ہو۔ تم سے مل کر خوشی ہوئی علی عمران۔" آواز بلاشبہ گیبی پورٹر کی تھی۔

"مجھے بھی خوشی ہوئی۔ آؤ مصافحہ کر کے گلے تو مل لو۔ ایک عرصے بعد ملے ہو۔ رسمِ دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔" عمران نے باقاعدہ گنگناتے ہوئے کہا۔

"تمھاری یہ خواہش بھی پوری کر دی جائے گی۔ فی الحال تو تم اونٹ سے گلے ملنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے ماضی میں مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔" گیبی پورٹر کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ "اس کے ٹکڑے کر کے میرے سامنے ڈال دو۔" گیبی پورٹر نے چلا کر کہا۔

سیاہ پوش ساکت کھڑا رہا۔ عمران مطمئن انداز میں مسکراتا رہا۔

"تم نے میرا حکم نہیں سنا زیرو فور۔" گیبی پورٹر گرجا۔ اس کے گرجنے سے کمرے کی دیواریں جھنجھنا گئیں۔

سیاہ پوش ٹس سے مس نہ ہوا۔

مولوی محمد داؤد، مولانا شبلی کے زمانے میں علی گڑھ میں پڑھتے تھے۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ظرافت ان کا خاصہ تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں مدرسۃ العلوم میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔ چودھری خوشی محمد خان نے جو ان دنوں خود بھی طالب علم تھے ایک غزل موسم کے عنوان سے پڑھی۔ ان کا تخلص ناظر تھا۔ جب آخر میں انھوں نے یہ مصرعہ پڑھا۔

ناظر! اب سیر سبزہ کر ڈالو

تو داؤد صاحب کی رگِ ظرافت پھڑکی۔ وہ بولے، اپنے آگے کی گھاس چر ڈالو

"اوہ... تو تم بھی غداری پر آمادہ ہو۔ میں تمھیں عبرت ناک سزا دوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں گیبی پورٹر۔ باہر آؤ اور خود کو قانون کے حوالے کر دو۔" سیاہ پوش کی آواز کمرے میں گونجی۔

تنویر، صفدر، حاتم علی اور جولیا یوں اچھل پڑے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ آواز سو فیصدی ان کے چیف ایکسٹو کی تھی۔ گویا حاجی بابا کے لبادے میں خود ایکسٹو کی شخصیت کارفرما تھی۔

"اوہ۔ تو یہ تم ہو۔ اچھا ہوا تم بھی اس کے ساتھ یہاں موجود ہو۔ میں تم دونوں سے ملنے کے لیے ایک عرصے سے بے چین تھا۔ اب تم دونوں ایک ساتھ موت کا جام اپنے ہونٹوں سے لگاؤ گے... ہا۔ ہا۔ ہا۔ تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے میں اس سارے نظام کو اڑا دوں گا۔ میں اس وقت تم لوگوں سے سینکڑوں میل دور ہوں۔" گیبی پورٹر کا بھیانک قہقہہ کمرے میں لگے ہوئے اسپیکر پر سنائی دیا۔

"یہ تمھاری بھول ہے پورٹر۔" ایکسٹو زہریلے لہجے میں بولا۔ "میں پہلے ہی اس کا بندوبست کر چکا ہوں۔ دھماکا کرنے کا سارا انتظام بے کار ہو چکا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم ایک بار پھر یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ لیکن میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"ہا ہا ہا" گیبی پورڈ کا قہقہہ بڑا ہی خوفناک تھا "خیر پروا نہیں۔ مجھے ایک بار پھر نقصان پہنچا ہے لیکن تم پھر بھی ناکام رہے ہو" وہ بولا... اس کے ساتھ ہی وہاں خاموشی چھا گئی۔

ایکسٹو نے حاتم علی کو سرنگ کا دہانہ کھول کر شنکیاریوں کے لشکر کو آزاد کرنے کا حکم دیا اور اسے تیکنیک بھی سمجھا دی حاتم علی تیزی سے باہر نکل گیا۔

"تم لوگ قید خانے کی طرف چلو" ایکسٹو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ لوگ قید خانے تک جا پہنچے۔ عمران کے ساتھیوں نے وہاں موجود تمام محافظوں کو گرفتار کر لیا... جنھوں نے مزاحمت کی کوشش کی انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جب وہ لوگ قید خانے میں پہنچے تو شنکیاریوں کا لشکر اندر گھس چکا تھا۔ بچے کھچے لوگوں کو ان لوگوں نے موت سے ہمکنار کر دیا۔ وہ سب شہزادی کو دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

ایکسٹو ایک جنگلے کی طرف بڑھا اور اس نے حاجی بابا کو آزاد کر دیا۔ شنکیاریوں نے حاجی بابا کی دیکھا تو نعرہ لگاتے ہوئے تعظیم کے لیے جھک گئے۔ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ شہزادی دل بہار کی حالت قدرے بہتر تھی مگر اس میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ تشکر آمیز نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شنکیاری دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے شہزادی کو گھیر لیا اور دوسرا حاجی بابا پر سوالات کی بوچھار کرنے لگا۔ کچھ لوگ اس سے معافی مانگ رہے تھے کچھ مزاج پرسی اور کچھ نہ جانے کیا کیا پوچھ رہے تھے۔



"مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم یہاں گاجریں کاشت کرنے آئے تھے" عمران نے جماہی لیتے ہوئے کہا اور تنویر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ تنویر نے صبر کے گھونٹ پیئے اور زبردست قوت برداشت کا مظاہرہ کیا۔

"لیکن عمران صاحب میری سمجھ میں تو اب تک کچھ نہیں آیا، یہ سب کچھ اچانک کیسے ہو گیا؟" شہزادی دل بہار نے کہا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو تفصیلات سے آگاہ کریں"

"گیبی پورڈ ایک بین الاقوامی مجرم ہے" عمران نے کہنا شروع کیا "اس سے پیشتر دو بار اس سے ٹکراؤ ہو چکا ہے لیکن جیسا کہ تم دیکھ چکی ہو وہ اپنی سائنسی قوت کے بل بوتے پر فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ اس بار بھی یہی ہوا۔ شہر میں یا دارالحکومت کے کسی حصے میں رہ کر وہ اپنی سرگرمیاں جاری نہیں رکھ سکتا تھا لہٰذا اس نے اس ریاست کا انتخاب کیا۔ اگر تم ہم سے رابطہ قائم نہ کرتیں آج شنکیاری اسٹیٹ پر اس کا قبضہ ہوتا اور غیر ملکی طاقتوں کے لیے یہ چور دروازہ کھل جاتا۔ اس نے آتے ہی سب سے پہلے لوگوں کو متاثر کرنا چاہا۔ نادیدہ انسانوں کا چکر چلایا۔ اگرچہ میں پوری طرح نہیں سمجھ سکا لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس نے ایک ایسا پلاسٹر تیار کر لیا تھا جس سے روشنی بہ آسانی گزر سکتی تھی۔ اس پلاسٹر کی یہ خصوصیت آدمی کو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ سکتی تھی۔ میرا مطلب ہے اس پلاسٹر کا ہر ذرہ روشنی کے لیے ایک اچھی گزرگاہ ثابت ہوتا تھا۔ جب روشنی گزر جاتی ہے تو آنکھوں کے ذریعے کوئی شبیہہ پردۂ بصارت پر نہیں ابھرتی اس لیے کوئی اس آدمی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ گیبی پورڈ نے سب سے پہلے تو مقامی لوگوں کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔ اس میں ناکام رہا تو اس نے حاجی بابا کو اغوا کر کے قید کر لیا۔ پھر حاجی بابا کے بھیس میں اپنا ایک آدمی مقرر کر دیا۔ اس نقلی حاجی بابا کی وجہ سے ریاست کے کئی آدمی اس کی حمایت کرنے لگے۔ اس طرح سے اس کے حامیوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ اس کے باوجود اس نے محسوس کیا کہ وہ لوگوں کے اذہان پوری طرح مسخر نہیں کر سکا ہے تو اس نے شہزادی کو اغوا کر لیا لیکن جب اس نے دیکھا شہزادی کے چند ایسے حامی بھی موجود ہیں جو مقامی لوگوں کی طرح سیدھے سادے نہیں تو اس نے شہزادی کے میک اپ میں اپنی کوئی آلہ کار بھیجنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اگر اسے ہم لوگوں کی موجودگی کا احساس نہ ہوتا تو وہ کامیاب ہو جاتا۔" عمران کہتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ پھر توقف سے دوبارہ بولا۔

"میرا مطلب ہے اگر ہم لوگ یہاں نہ ہوتے تو اس کا کام سیدھے سادے طریقے سے مکمل ہو جاتا" وہ وضاحت کرنے کے بعد خاموش ہو گیا۔ شہزادی دل بہار اب بھی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔





ڈاکٹر حامد حسن، ممتاز علی کیانی، عقیل قریشی

محمد سجاد بھٹی، سیف الملوک عباسی، یاسر حسنین

محمد نعمان، ساگر زمان، ناصر محمود بلوچ